عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ

طلوعِ اسلام

فروری ۱۹۴۲ء February 1942

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا

ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

دہلی

دور جدید

مرتب
اخوندزادہ حسین امام

بدل اشتراک — پانچ روپیہ 5/- سالانہ
ششماہی — تین روپے 3/-
قیمت فی پرچہ — آٹھ آنے

جلد (۵) شمارہ (۲)

محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق فروری ۱۹۴۲ء

فہرست مضامین

لمعات	ادارہ	۱ - ۸
رازحیات	ادارہ	۹ - ۳۰
نظم	اسد ملتانی	۳۱
رسولی تبلیغ	جناب شمس العلماء حافظ سید محب الحق صاحب	۳۲ - ۴۶
حقائق وعبر	ادارہ	۴۷ - ۵۰
آپ کا جرم	———	۵۱ - ۶۴
بقیہ لمعات	ادارہ	۶۵ - ۶۸

لمعات

بنئے کے بیاج کی شرح قرض مانگنے والے کی ضرورت کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے. کسان کی آنکھوں میں جس قدر زیادہ درد آلود آنسو ڈبڈباتے ہوں. مہاجن اتنی ہی کڑی شرطیں بتائے گا. زمیندار اگر مقدمہ میں ماخوذ ہے اور حالت یہ ہو چکی ہے کہ اگر بر وقت روپیہ ادا نہ کیا جائے تو جیل خانے بھجوا دیا جائے تو ساہوکار روپے کی تھیلی کو اور بھی زور کی گرہ لگا دے گا اگر کسی غریب کا بیٹا بیمار ہے اور علاج کے لئے کچھ پیسے درکار ہیں. اگر بوائی کے دن بیتے جا رہے ہیں اور کاشتکار کو تخم ریزی کے لئے غلہ کی ضرورت ہے. اگر زمیندار کا بیل مر گیا ہے اور کھیتی خشک ہو رہی ہے تو مہاجن قرض دینے میں سخت سے سخت ہوتا چلا جائے گا. غرضیکہ نفسیات مہاجنیت یہ ہے کہ دوسرے کی مصیبت اور پریشانی سے پورا پورا فائدہ اٹھایئے اور ایسے وقت میں عدل. انصاف. احسان. مروت غرضیکہ ہر جوہر انسانیت کو بھول جایئے.

اس نفسیاتی کیفیت کو سامنے رکھئے اور ایک اور کیفیت کی طرف بھی توجہ دیجئے. میچ میں دو ٹیمیں نہایت سخت مقابلہ سے کھیل رہی ہوں. دونوں طرف سے برابر کا زور ہو لیکن تماشائیوں میں سے ایک ٹیم کے خلاف شور اٹھنا شروع ہو جائے کہ وہ مار دیا! وہ ہار گئے! وہ ختم ہو گئے!!! تو آپ دیکھیں گے کہ کچھ عرصہ کے بعد فی الحقیقت اس ٹیم کے کھلاڑیوں کے ہاتھ پاؤں پھولنے شروع ہو جائیں گے. ٹانگوں میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جائے گی. حوصلے پست ہو جائیں گے. ہمت ٹوٹ جائے گی اور جوں جوں یہ شور بڑھتا جائے گا پریشانی. اضطراب سراسیمگی. بوکھلاہٹ زیادہ ہوتی چلی جائے گی.

دوسرا نفسیاتی مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی کی پریشانی بڑھا کر اس میں بوکھلاہٹ اور سراسیمگی پیدا کرنا ہو تو زور زور سے شور مچانا شروع کر دیجئے. جتنا زیادہ کائیں کائیں ہوگا اتنے ہی دوسرے کے ہاتھ پیر پھولتے جائیں گے.

ان دونوں کیفیتوں کو سامنے رکھئے اور پھر ذرا ہندی سیاست چھچھلتی سی نگاہ ڈالئے. آپ دیکھیں گے کہ یہاں کے ارباب سیاست کے پاس کچھ اس قسم کے نفسیاتی حربے ہیں جنہیں یہ وقتاً فوقتاً مقصد براری کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں. حکومت برطانیہ موجودہ جنگ کی وجہ سے جس تشویش و اضطراب میں ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے. ظاہر ہے کہ اگر مہاجنی سیاست ایسے موقعہ سے فائدہ نہ اٹھائے تو یہ حربہ اور کونسے وقت کام آئے گا! چنانچہ عین دوران جنگ میں سول نافرمانی کی منظم تحریک اسی انداز سیاست کی کرشمہ سازی تھی. ایک طرف منظم سول نافرمانی دوسری طرف سے دائیں اور بائیں. اندر اور باہر. ہر طرف سے شور و غل. نتیجہ یہ کہ یہاں تو یہاں، ولایت تک کے اخبارات نے دہائی مچا دی کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ تعطل کو توڑ کر ملک کی

مدافعت اور انصرام حکومت میں ہندوستانیوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ اس شور و غل کا نتیجہ تھا کہ حکومت کو تمام ستیہ گرہی قیدیوں کو قبل از وقت رہا کر دینا پڑا۔ انھوں نے رہا ہو کر باردولی میں جگھٹا کیا اور پھر حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ جنگ کے بعد ہندوستان میں اکثریت کے ہندو راج کا وعدہ دے دیا جائے تو ہم حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ ادھر یہ ریزولیوشن پاس ہوا۔ ادھر چاروں طرف سے پھر وہی کائیں کائیں شروع ہو گئی۔ انتہا پسند۔ اعتدال پسند۔ جانب دار۔ غیر جانب دار۔ کانگرسی ہندو مہا سبھائی۔ یہ۔ وہ مختلف آوازیں لیکن مطمح نگاہ ایک۔ گویا مختلف سازوں کا آرکسٹرا تھا جو کرسمس کی تقریب سعید پر مختلف نشر گاہوں سے پنچم کے سروں میں بجنا شروع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک تو جنگ کی وجہ سے اعصابی پریشانی اس پہ اس قدر بلا کا شور۔ اچھا بھلا انسان بوکھلا اٹھتا ہے انگلستان کا پریس۔ مختلف ارباب فکر و نظر۔ دار العوام کے اراکین حتیٰ کہ حکومت کے بعض عمائد سب اس بلند آہنگی سے متاثر ہونے لگے۔ اس ہنگامۂ صور و نشور میں بیچارا مسلمان الگ کھڑا دیکھ رہا تھا کہ۔ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والوں کے دل دھڑک رہے تھے کہ یا اللہ! اگر اس تشویش و پریشانی میں حکومت برطانیہ اس شور و غوغا سے متاثر ہو گئی تو ہندی مسلمانوں کی غلامی کی دستاویز ہندوؤں کے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ اس تمام نقار خانہ میں لے دے کے ایک نحیف و نزار "طوطی" کی آواز تھی جو اپنی پوری قوت و شدت سے پکار پکار کر حکومت برطانیہ کو اس کا وہ وعدہ یاد دلا رہی تھی جو اس نے مسلمانوں سے کر رکھا ہے کہ ہندوستان کے مستقبل کا دستور اساسی مسلمانوں کے مشورہ اور تصویب کے بغیر مرتب نہیں کیا جائے گا۔ یہ آواز لاکھ حق و عدل کی آواز سہی لیکن تھی تو بہرحال نقار خانہ میں طوطی ہی کی آواز۔ متجسس و مشوش نگاہیں للچا للچا کر دیکھ رہی تھیں کہ اس مرد حق گو کا کوئی اور ہمنوا بھی کہیں سے پیدا ہوتا ہے! گوش حقیقت آشنا مجسم اشتیاق تھے کہ کسی سمت سے اور بھی ایسی آواز اٹھتی ہے! خاسر و ناکام نگاہیں بے بس ہو کر کاشانۂ چشم میں حسرت بن کر لوٹ آتی تھیں۔ شوق سماعت پژمردہ ہو کر خلوت کدہ گوش میں سر بجیب بیٹھ جاتا تھا۔ آواز اٹھتی تو کدھر سے اٹھتی۔ ہمنوا پیدا ہوتا تو کہاں سے پیدا ہوتا پنجاب روز اول سے آزمایا ہوا۔ وہاں کے ارباب ہمم کی تگ و تاز اور سعی و عمل کو ان کے طرہ ہائے امتیاز کی فرازی سے فرصت ملے تو کسی اور طرف توجہ دے سکیں۔ باقی رہا بنگال۔ سو وہ بازیچہ اطفال بنا ہوا۔ آوازۂ حق کدھر سے اٹھتا؟ مسکیں و کم ماندہ در ہیں کشمکش اللہ

لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہاں سے زیادہ ہولناک مایوسی ہو وہیں سے امید کی کرن ضیا بار ہو جاتی ہے خزاں میں جو شاخ سب سے پہلے اپنے پتوں سے محروم ہو کر ٹھنٹھ ہو جائے اسی میں سب سے پہلے زندگی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور اسی کو زر نگار شگوفے سب سے پہلے دلہن بناتے ہیں۔ اس دور کشمکش میں پنجاب سب سے زیادہ افسوسناک مایوسیوں کا عبرت انگیز مرقع بن رہا ہے اور مقام مسرت ہے کہ یہ آوازۂ حق سرزمین پنجاب ہی کے ایک مرد جمہور کی زبان سے بلند ہوا اور وہ بھی کس مقام سے؟ آپ حیران ہوں گے کہ قصر حکومت کی ان بلندیوں سے جہاں پہنچ کر بالعموم ہوتا یہ ہے کہ یا تو ہوس جاہ پرستی

کا نظر زیب سراب حق و صداقت کی آواز بلند کرنے میں گلوگیر ہو جاتا ہے اور یار رواداری کا غلط مفہوم بے باک جراتوں کا خون کر دیتا ہے نتیجہ یہ کہ جن سے قوم کی بڑی بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ مقادیر سحر کار کی شعبدہ بازی سے متاع حق گوئی دیبا کی کواہی نگاہ میں ہیچ ڈھلتے ہیں۔ ایسے مقام سے حق و انصاف کی بلند آواز کا اٹھنا۔ یقیناً مبدا رفیض کی کرم گستری ہے جسے وہ عطا کر دے۔

ایک دفعہ پھر اس منظر کو سامنے لائیے کہ برادرانِ وطن کے ہر طبقہ کی طرف سے ایک ہنگامہ بپا کیا جا رہا ہے کہ حکومت برطانیہ کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ اعلان کر دے کہ جنگ کے بعد ہندوستان میں اکثریت کی (ہندو) حکومت قائم کر دی جائے گی۔ جس کا دستور اساسی "تمام ہندوستان کی مشترکہ نمائندہ جماعت" (یعنی ہندوؤں) کے ہاتھوں متشکل ہوگا اس ہنگامہ سے حکومت برطانیہ کے ارباب بست و کشاد کا متأثر ہو جانا کچھ بعید نہ تھا در آنحالیکہ انگلستان کا پریس بھی اپنی پریشانی کے باعث اس ہنگامہ کا ہم نوا ہوئے جا رہا تھا ایسے وقت میں نہایت ضروری تھا کہ ارباب حکومت پر واضح کر دیا جائے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا آئین و دستور کامیاب نہیں ہو سکتا جو صرف کسی ایک قوم کی مرضی کے مطابق وضع کیا جائے۔ اس کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کی مشاورت اور تصویب نہایت ضروری ہے عین وقت پر۔ جب کہ چاروں طرف سے یہ ہنگامہ اپنے پورے زوروں پر تھا۔ ایوان حکومت کے ایک رکن رشید کی طرف سے اس کا اعلان ہوا اور نہایت بچے تلے لیکن بالکل واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان ہوا۔ انھوں نے کہا:۔

" اگر ہندوستان میں ایسے مدبرین موجود ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے تعاون اور رضامندی کے بغیر ہندو اپنے مقاصد حاصل کر لیں گے۔ یا ہندوؤں کی مدد اور رضامندی کے بغیر مسلمان اپنا مقصود پا لیں گے۔ تو وہ غلطی کر رہے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ انگریز کانگرس کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں اور انھیں ان کے مطالبات دیدیں۔ تو اس صورت میں ہندوستان کے مسلمان مقابلے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور ملک میں ایک سخت خلفشار پیدا ہو جائے گا۔ کیا کانگرس کا خیال ہے کہ اس صورت میں وہ ہندوستانی فوج کی مدد استعمال کرے گی کہ وہ آکر مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیں اور انھیں بے دست و پا کر کے یوں ملک میں واحد حکومت قائم کر لیں؟ اگر ایسا ہی کیا جائے گا تو کہئے کہ یہ حکومت جو قوت کے بل بوتے پر قائم کی جائے گی۔ موجودہ حکومت سے کس طرح مختلف ہوگی جس کے متعلق کانگرس کا الزام یہ ہے کہ وہ قوت کے بھروسہ پر قائم ہے۔ یہی دلیل اس صورت میں بھی منطبق ہوگی اگر حکومت برطانیہ مسلمانوں کے سامنے جھک کر ان کے مطالبات منظور کر لے۔ ایسی شکل تمام ہندوؤں کو حکومت برطانیہ کے خلاف ملکی بغاوت پر آمادہ کر دے گی! اس وقت بھی ملک کا امن قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حکومت برطانیہ کا کسی ایک جماعت کا طرف دار ہو جانا ہمارے عظیم الشان ملک

کے لئے تباہی اور بربادی کا موجب ہو جائے گا جس قدر جلد یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے دل سے اس زعم باطل کو نکال دیں کہ وہ از خود تمام کے تمام ملک پر حکومت کر سکتی ہیں اسی قدر یہ چیز ہمارے مستقبل کے لئے مفید ہوگی۔

اندریں حالات نیشنل کانگرس کی یہ کوشش کہ مسلم لیگ کے جذبات کے علی الرغم۔ بالا ہی بالا مسلم عوام سے روابط بڑھائے جائیں مسلم عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے اور اس طرح مسلم سیاست کو کانگرس سے دور سے دور لیجانے کے سوا کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکے گی۔ ان کی یہ کوشش کہ ہندوستان اور باہر کی دنیا پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ کانگرس ہندوستان کے مسلمانوں کی بھی نمایندہ جماعت ہے۔ صرف ایک ہی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے یعنی مسلمانوں کے دل میں (ہندوؤں کی طرف سے) بدگمانی کے تلخ جذبات۔ اور مسلم لیگ کی قوت میں اضافہ۔ میں ان حقائق کو کھلے کھلے الفاظ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں ہندوستان کے اتحاد و اتفاق کا دل سے خواہاں ہوں۔ اور اپنی (یعنی ہندوستانیوں کی) موجودہ کمزور سیاسی پوزیشن کو محسوس کرتا ہوں۔ جب تک ہم حقایق کا مقابلہ نہیں کریں گے اور یوں ہی ایک دوسرے کے سر الزام تھوپنے سے مجتنب نہیں رہیں گے۔ ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکیں گے۔

میں (جوں جوں حالات پر غور کر رہا ہوں) بار بار اسی نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس ملک کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جب بھی امن قائم ہوگا ان کی عاملہ جماعتوں کے ذریعے سے قائم ہوگا.... ...... (میرے خیال میں) اب وقت آ پہنچا ہے کہ ہم کھلے کھلے الفاظ میں باتیں کریں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کبھی امن نہیں قائم ہو سکتا جب تک ان کے لیڈر ایک دوسرے کے سامنے اپنے دلوں کو کھول کر نہ رکھدیں یونہی گول مول انداز سے ٹامک ٹوئیاں مارنے سے دنیا میں کبھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا "۔

یہ تو تھا ہندوؤں اور مسلمانوں سے مشترکہ خطاب۔ اب چند الفاظ میں خود مسلمانوں سے متعلق بھی سن لیجئے۔ فرمایا۔

" میں اس مجمع کے دل پر اس ملک میں اتحاد و اتفاق کی اہمیت کو نقش کر دینا چاہتا ہوں۔ یہ اتحاد سب سے پہلے ہر ایک جماعت کے اندر الگ الگ بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کے اپنے اندر بھی اتحاد لازمی ہے تاکہ اس اتحاد کے ذریعے سے انھیں اس ملک میں باعزت پوزیشن حاصل ہو سکے اس قسم کی وحدت اور ہم آہنگی حاصل کرنے کے لئے ہمیں ایسے لیڈروں کی ضرورت ہے جو خود غرض نہ ہوں۔ جس وقت ہم میں اس قسم کی وحدت پیدا ہو جائے گی کانگرس کی نگاہوں میں خود بخود ہماری عزت پیدا ہو جائے گی اور جس وقت کانگریسی لیڈروں کے دل میں مسلم لیگ کی اس قسم کی عزت پیدا ہوگی اس وقت اس ملک میں مستقل امن کی بنیاد رکھدی جائیگی"۔

(اسٹیٹسمین ۵ ۱/۴)

تقریر کے اقتباسات آپ نے ملاحظ فرمالئے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مقرر کون تھے؟ مقرر تھے جناب وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر جناب سر فیروز خاں نون! ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اظہار حقیقت اور کس قدر واضح اور غیر مبہم الفاظ میں۔ بایں ہمہ کہیں لب ولہجہ میں سختی نہیں۔ درشتی نہیں اور دوسری طرف رواداری کا غلط مفہوم کہیں حق گوئی میں عناں گیر نہیں۔ قدم جادۂ اعتدال پر ہے اور ذمہ داری کا احساس ساتھ ساتھ ہے عین موقعہ پر ٹھیک ٹھیک بات حق وانصاف کے ساتھ کہہ دینا۔ یہی مسلمان کی شان ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق　　　یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ملت اسلامیہ کے فرزند جلیل۔ سر فیروز خان نون! آپ قوم کی طرف سے مستحق ہزار تبریک وتہنیت ہیں کہ آپ نے قوم کے جذبات کی صحیح صحیح ترجمانی کر دی۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ کی اس حق گوئی کی بنا پر اب پنجاب کا مسلمان بھی دنیا کے سامنے اپنی نگاہوں کو اونچا کر سکے گا خدا آپکے اس جوہر جرات وبسالت میں پختگی اور مسلک حق گوئی وبیباکی میں استقامت عطا فرمائے۔

ملت اسلامیہ کو آپ کی ذات سے بہت سی توقعات وابستہ ہو گئی ہیں یورپ کے بت خانہ آذر سے ایمان براہیمی عطا ہو جانا یہ صرف اللہ کی دین ہے۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اب جناب جناح بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
مرے اب یہاں راز داں اور بھی ہیں

(۲)

پاکستان کے متعلق ہم اپنی سابقہ اشاعت میں سکریٹری صاحب آل انڈیا مسلم لیگ کی تصریحات درج کر چکے ہیں جن سے یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ ہندوستان میں ایک مرکز کے نظریہ کی پاکستان کی اسکیم میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد جناب جناح۔ صدر مسلم لیگ نے اپنے ایک بیان میں اس حقیقت کو واضح تر کر دیا ہے کانگرس کے بردولی والے ریزولیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"ہندی مسلمان اپنی بقا اور استحکام کے لئے جد وجہد کر رہے ہیں لیکن کانگرس اور دوسری ہندو جماعتیں تیز رفتاری سے اس کوشش میں مصروف ہیں کہ تمام ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت قائم کرکے ہندوستان

میں مسلمان کی حیثیت اقلیت کی کر دی جائے اور اس طرح ان پر اپنا تغلب و استیلا مسلط کر دیا جائے یعنی ملک کے ان حصوں میں بھی جہاں مسلمان ٹھوس اکثریت رکھتے ہیں؛ اور یوں ان اہم قوتوں کے بل بوتے پر جو لازمی طور پر مرکزی حکومت کی تحویل میں رہینگی - مثلاً دفاع - رسل و رسائل - بحری چونگی مالیات اور دیگر انتظامی امور - مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں میں ان کے اندرونی معاملات میں بھی دخل اندازی کرتے رہیں۔"

(اسٹیٹسمین ۴ ۲/۴۴)

یعنی جناب جناح نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ تمام ہندوستان کے ایک مرکز کا نظریہ پاکستان کی اسکیم کے بالکل منافی ہے۔ پاکستان ایک کامل و مکمل آزاد حکومت ہوگی جس کا مرکز بھی اپنا ہوگا اور اس مرکز کے ماتحت دفاع - رسل و رسائل امور خارجیہ - مالیات وغیرہ سب اپنے ہوں گے - جس طرح آج کل مثلاً افغانستان کے ہیں -

ایک آزاد اسلامی حکومت جس میں قانون قرآن کا نافذ ہوگا - یہ ہے **پاکستان** وہ پاکستان جس کا تصور حکیم الامت علیہ الرحمۃ نے دیا اور جسے عملی طور پر متشکل کرنے کی سعادت جناب جناح کے حصے میں آئی - ولو کرہ المشرکون -

یہ ہے وہ پاکستان جس کی مخالفت قومیت پرست علمائے کرام کی طرف ہوتی ہے جن کے سرخیل حضرت امام الہند صاحب ہیں - انا للہ و انا الیہ راجعون -

(۳)

- جناب جناح کی عظمت کا اعتراف آپ مسٹر آرتھر مور کی زبان سے اس سے پیشتر سن چکے ہیں اب ان کی زبانی سنئے جو اپنوں کے علاوہ کسی اور کی عظمت کا اعتراف جانتے ہی نہیں مسٹر راجہ گوپال اچاریہ اپنی حال ہی کی ایک تقریر میں فرماتے ہیں۔

"مسٹر چرچل بیبیا کے ریت کے تودوں میں اپنا سر چھپا کر (شتر مرغ کی طرح اپنے آپ کو فریب دے لیں) تو اور بات ہے ورنہ وہ ان حقایق سے کیسے انکار کر سکتے ہیں جو ان کے سامنے موجود ہیں - حکومت اور عوام اور (ملک کی) ان اہم سیاسی جماعتوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا جن کے صدر مہاتما گاندھی اور قائد اعظم جناح جیسی درخشندہ ہستیاں ہیں - یہ ہستیاں کچھ معمولی درجے کی نہیں ہیں - دونوں برابر کی شہرت کے مالک ہیں اور ملک میں دونوں کی مقبولیت اوج کمال تک پہنچی ہوئی ہے -

یہاں ہمارے سامنے دو قوت اور شہرت کی مالک سیاسی جماعتیں (یعنی کانگرس اور لیگ) موجود ہیں اور دونوں حکومت سے برسرپیکار ہیں۔"

(ہندوستان ٹائمز ۲۳ ۱/۴۴)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حقیقت کس طرح اپنے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے - مسٹر راجہ گوپال اچاریہ کے نزدیک گاندھی جی اور جناب جناح یکساں عظمت کے مالک اور یکساں تعریف کے سزاوار !

انقلابات ہیں زمانے کے ؟

اور پھر کانگرس اور لیگ (ملک کی اہم ترین سیاسی ادارے) وہی لیگ جو کل تک ہندوؤں کے نزدیک کسی گنتی شمار میں بھی نہ تھی اُن ہندوؤں کے نزدیک جنھیں ملک میں دو ہی پارٹیاں نظر آتی تھیں۔ گورنمنٹ اور کانگرس۔

یہ سب کس کا تصدق ہے! توفیق ایزدی جناب جناح کے خلوص۔ ایثار اور حسنِ تدبر کا۔ حق کی آواز کا۔ مسلک کی صداقت کا۔

اور پھر دیکھئے ہندوؤں کی طرف سے گاندھی جی اور مسلمانوں کی طرف سے جناب جناح آمنے سامنے لائے جاتے ہیں پوچھئے کہ جناب ابو الکلام صاحب آزاد کہاں ہیں؟ اور ان کا شمار کن میں ہے! اپنوں سے بچھڑے اور غیروں سے ملے۔ نہ ان کے ہاں عزت نہ اُن کے ہاں توقیر۔ ایں سو راندہ و آں سو درماندہ خسر الدنیا والآخرہ ذالک خسران المبین۔

ابھی ابھی آپ جناب جناح کی عظمت اور مسلم لیگ کی اہمیت کا اعتراف مسٹر راجہ گوپال اچاریہ کی زبان سے سن چکے ہیں ان میں ذیل کے الفاظ کا اور اضافہ کر لیجئے جو مسٹر اچاریہ نے ۲۴ جنوری کو مدراس کی ایک تقریر کے دوران میں استعمال کئے انھوں نے کہا۔

"کسی قوم کے لئے ایسی صورت حالات نہایت بری ہوتی ہے کہ اس کی گورنمنٹ ایسی ہو جس سے قوم کی دو درخشندہ جماعتیں عدم تعاون کر رہی ہوں وہ جماعتیں جن میں سے ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمانوں کے بہترین عنصر کی نمائندہ ہے اور دوسری وہ جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ملک کے غیر فرقہ وارانہ اور قومی عنصر کی نمائندہ ہے۔ اگر یہ دو سیاسی ادارے جن کی راہ نمائی مہاتما گاندھی اور مسٹر جناح جیسے مشہور عالم راہ نما کر رہے ہیں کسی وجہ سے حکومت سے تعاون نہیں کر رہے تو حکومت کے لئے اتنا کہدینا کافی نہیں کہ اس ملک کے لوگ اس کے ساتھ ہیں۔" (ہندوستان ٹائمز ۲۵ $\frac{1}{2}$ ۴۲)

کانگرس کا دعویٰ نمائندگی کیا ہے! اسے چھوڑیئے۔ دیکھئے یہ کہ خود مسٹر اچاریہ جیسے متشدد کانگریسی کو بالآخر اعتراف کرنا پڑا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے بہترین عنصر کی نمائندہ جماعت ہے۔ اس چیز کا اگر کانگریسی ہندو حضرات پہلے دن سے اعتراف کر لیتے تو اتنا عرصہ ملک میں یہ کشمکش کیوں رہتی! خدا کرے کہ اب یہ حضرات اس حقیقتِ ثابتہ کو بھی مان لیں کہ ہندو مسلم مسئلہ کا واحد حل صرف پاکستان ہے جس دن ہندوؤں نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا۔ اسی دن ملک کی نجات ہو جائے گی۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ جب مسلم لیگ مسلمانوں کے بہترین عنصر کی نمائندہ جماعت ہے تو پھر یہ مسلم نیشنلسٹ حضرات کیا

ہیں؛ جواب خود مسٹر اچاریہ کے الفاظ سے ظاہر ہے! ــــــــ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

(۴)

بالآخر علامہ مشرقی قید و بند کے مصائب سے رہا کر دیے گئے اور ان ہزاروں قلوب کو جو اس درد سے بیتاب اور ان لاکھوں آنکھوں کو جو اس غم سے پرنم تھیں کچھ سکون و اطمینان ہوا۔ ظاہر ہے کہ حکومت کے جن فیصلوں سے اتنے مضطرب قلوب کو تسکین حاصل ہو جائے وہ بہرحال قابلِ ستائش ہوتے ہیں۔ خدا کرے کہ اب وہ پابندیاں اور شرائط بھی اسی طرح رفع کر دی جائیں جو اس رہائی سے ہنوز وابستہ ہیں۔ علامہ صاحب کے متعلق ہمارے جذبات توقیر و تعظیم کسی ثبوت کے محتاج نہیں ان کے غم و الم کے متعلق ہمارے نالۂ نیم شبی اور آہ سحر گاہی پر آسمان کے تارے اور زمین کے ذرے گواہ ہیں۔

تحریک خاکساران کے مستقبل کے متعلق علامہ صاحب نے ارباب حل و عقد سے مشاورت کے بعد کسی فیصلے پر پہنچنے کا اعلان فرمایا ہے ہرچند اس باب میں ہماری کوئی گزارش دخل در معقولات قرار دی جا سکتی ہے لیکن ان قلبی احساسات کی بنا پر جن کے شواہد طلوعِ اسلام کے صفحات پر آپ کی نگاہوں سے گذر چکے ہیں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ محسوس کرتے ہیں اس کا اظہار کر دیا جائے۔ آپکو یاد ہوگا کہ ہم پہلے دن سے ہی متمنی ہیں کہ جناب جناح اور جناب علامہ کسی طرح دوش بدوش کھڑے ہو جائیں تو یہ قرانِ السعدین طالع امت کے لئے مطلع انوار ہو جائے۔ جب مقصد ایک ہے یعنی اسلام کی سرفرازی (جسکا فطری نتیجہ دنیا کے لئے امن و سلامتی کا پیغام اور خدمتِ خلق کی نوید ہے) تو پھر علیحدگی کیا ضرور ہے۔ اللہ کی میزان میں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑیگا کہ تمہارا نام خاکسار تھا یا مسلم لیگ کے سپاہی۔ وہاں تو دل کی نیتیں اور حسن عمل ہی تولا جائیگا۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف ایک ہی کشتی کے دو ملاح ہیں فرائض جداگانہ۔ نصب العین ایک اگر خاکسار جناب علامہ کی قیادت میں مسلم لیگ کا عسکری شعبہ بن جائیں تو آج ہی یہ دونوں قوتیں مل کر ملت اسلامیہ کے منتشر ذروں کو بنیان مرصوص (فولادی دیوار) میں تبدیل کر سکتی ہیں کہ حوادث زمانہ کی امواج آئیں اور اپنا سر پھوڑ کر واپس ہو جائیں یہی وہ نکتہ ہے جس میں خاکساروں کی بہبود مسلم لیگ کی تقویت اور ملتِ اسلامیہ کے مقدرات کے ستاروں کی تابندگی کا راز پنہاں ہے۔ خدا کرے کہ ہماری اس گزارش کو صرف ہمارے ہی دل کی آواز نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کی اکثریت کی ترجمان ہی درخور اعتنا سمجھ لیا جائے اس کے ساتھ ہی ہم جناب علامہ سے بصد منت التجا کریں گے کہ وہ کسی نہ کسی طرح تذکرہ کی باقی جلدوں کی اشاعت کا انتظام فرمادیں تاکہ آنے والی نسلوں میں سے اگر کوئی جماعت قرآن پر عمل کرنے کی خواہش کرے تو جناب علامہ کے تحفۂ قرآنی کا حاصل اس کے سامنے ہو۔ قومیں اسی طرح سے آگے بڑھا کرتی ہیں۔ بقیہ بر صفحہ ۶۵

رازِ حیات

اسمعوا و اطیعوا ۶۴/۱۶

نظام کائنات پر غائرانہ نگاہ ڈالئے اور سوچئے کہ یہ محیر العقول سلسلۂ نظم و نسق اور یہ عظیم القدر کارگہِ کون و مکان کس محیر انگیز اصول پر قائم اور کونسی عدیم النظیر قوت پر اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے۔ آپ غور کیجئے اور بار بار غور کیجئے ہر بار آپ اس حتمی اور قطعی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ پہنائے زمین و آسمان کے اس فقید المثال نظم و نسق اور فضائے ناپید اکنار کے اس ہوشربا ربط و ضبط کا راز ایک لفظ کے اندر ہے اور وہ لفظ ہے **اطاعت**۔ زمین کا گراں بار کرہ فضا میں معلق و سرگرداں ہے تو اسی کے زور پر۔ زمین سے لاکھوں گنا بڑا سورج اپنے پورے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے تو اسی کی بنا پر۔ یہ بڑے بڑے فلک بوس پہاڑ اسی کی قوت کے سہارے کھڑے ہیں۔ یہ حدود فراموش سمندر اسی کے ذریعے مٹی کے ساحلوں میں گھرا بند پڑا ہے۔ ستاروں کی انجمن میں جمال و زینت ہے تو اس سے اور پھولوں کی محفل میں ہجوم رنگ و تعطر ہے تو اسی کی وجہ سے۔ چاند کی حسین و جمیل کشتی نیلگوں آسمان کی رود نیلگوں میں مسبطِ نور بن کر تیرتی پھرتی ہے تو اسی قوت سے اور کہکشاں کی سکوت افزا مرمریں موج فلک الافلاک کے بحر عنبریں میں آسودۂ خواب ہے۔ تو اسی کے اثر سے۔ یہی وہ جنتر ہے جس سے کڑکتی ہوئی بجلیوں کی ناگن دہوئیں کی جھیل پر لہراتی پھرتی ہے اور یہی وہ منتر ہے جس سے مست ہاتھیوں کے سے بادل پانی کی پکھالیں اپنی پشت پر لادے جکڑے بند ہے ادہر ادہر مارے مارے پھرتے ہیں اور کبھی سرتابی نہیں کرتے۔ ذرا سوچئے کہ اگر ایک دن سورج اطاعت سے سرکشی اختیار کرلے تو اس کائنات کا کیا حشر ہو۔ اگر زمین ایک ثانیہ کے لئے نظام متابعت سے سرتابی اختیار کر جائے تو جھولا جھولنے والوں کا انجام کیا ہو! اگر ہوا پھیپھڑوں میں جانے سے انکار کر دے۔ اگر پانی نشیب کے بجائے فراز کی طرف بہنا شروع کر دے۔ اگر زمین ان تمام دانوں کو دبا کر بیٹھ جائے جو اس میں بیج کے لئے ڈالے جاتے ہیں اگر آگ اپنی حرارت کو آگے منتقل کرنا بند کر دے۔ غرضیکہ اس وسیع و عریض کائنات کا ایک ذرہ بھی اطاعت سے منہ موڑ بیٹھے تو یہ تمام نظم و نسق درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے کہ یہ سارا نظام صرف ایک بنیاد پر قائم ہے اور وہ چٹان کی سی محکم و استوار بنیاد ہے **اطاعت** كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۞ (کائنات کی ہر شے قانونِ خداوندی کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہے)

شجر و حجر کی دنیا کو چھوڑ کر عالمِ انسانیت کی طرف آئیے۔ انسان کے جسم کی حرارت تھرمامیٹر (مقیاس الحرارت) سے ناپی جاسکتی ہے۔ اس کے قلب کی حرکت کا اندازہ نبض کے تموج سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے خون کی صلاحیت چہرے کی شگفتگی اور بشاشت سے بھی پہچانی جاسکتی ہے۔ اس کی قوت کا اندازہ اس کے دست و بازو کی گرفت اور ساخت سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کی صحت کی عام حالت اس کی حرکات و سکنات سے قیاس کی جاسکتی ہے لیکن اس کے جوہر انسانیت کی پرکھ صرف ایک کسوٹی سے کی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ اس میں **اطاعت** کا کتنا مادہ ہے۔

پھر افراد سے کہیں بڑھ کر یہ کسوٹی اقوام کی زندگی ناپنے کا پیمانہ ہے۔ کسی قوم میں جس قدر اطاعت کا جذبہ بڑھتا جائے گا اسی قدر اس میں **زندگی** پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ آپ تاریخ کے اوراق کو دیکھئے۔ ہر ورق پر یہی حقیقت نمایاں نظر آئے گی۔ عہدِ رواں کے احوال و ظروف پر نگاہ ڈالئے ہر مقام پر یہی اصول کارفرما نظر آئے گا۔ زندہ وہی قوم رہتی ہے جس میں **اطاعت** کا جذبہ ہو۔ حوادثِ زمانہ اور نامساعدتِ حالات کا مقابلہ وہی کرسکتی ہے جس کے افراد حکم اور فیصلہ کے سامنے جھکنا جانتے ہوں۔ عزت اور وقار۔ جاہ و حشمت۔ قوت و صولت شان و شوکت رعب اور دبدبہ۔ حکومت اور سلطنت سب اس قوم کا حصہ ہیں جو اطاعت شعار ہے۔ جب تک کسی قوم کے افراد اپنے آپ پر جبر کرنا نہیں سیکھتے وہ قوم صاحبِ اختیار نہیں ہوسکتی جس قدر **رکوع و سجود** میں عجز و نیاز اور خلوص و خشوع ہوگا۔ اسی قدر **قیام** میں سرفرازی و سربلندی کی شان پیدا ہوگی کہ قوموں کے ستارۂ اقبال کی درخشندگی ان سجدوں کے نشان سے ہے جو ان کے افراد کے ماتھوں پر جگمگ جگمگ کر رہے ہوں۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

پھر ان تمام نظائر و آثار سے نگاہ ہٹا کر اس سرچشمۂ علم و حقیقت کو دیکھئے جو دنیا کی ہر حقیقت کے لئے مصداق اور کائنات کے ہر اصول کے لئے معیار ہے۔ اللہ کی کتاب مبین کا ہر صفحہ اسی زندہ حقیقت کا شاہد ہے۔ سارے قرآن کریم کی تعلیم کا نقطۂ ماسکہ نہیں! بلکہ اس تمام سلسلہ رشد و ہدایت کی غرض و غایت یہی ہے کہ قوانین خداوندی کی **اطاعت** کی جائے۔ قرآن کریم کی تعلیم کا نچوڑ کیا ہے؟ کچھ امور ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا ارشاد ہے۔ کچھ ایسے ہیں کہ جن سے احتراز و اجتناب کا حکم ہے۔ باقی مقامات پر دلائل و براہین اور نظائر و بصائر سے ان اوامر و نواہی کے فطری نتائج و عواقب کو بطور حقیقت ثابتہ سامنے لایا گیا ہے۔ ان اوامر و نواہی میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ جس پر جی چاہے

عمل پیرا ہو اور جسے جی چاہے چھوڑ دے۔ یہ احکام اطاعت کے لئے ہیں بلا چون و چرا اطاعت بلا جبر و اکراہ اطاعت۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۶۵/۴

پس دیکھو تمہارا رب اس پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایسا نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ اور پھر (صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) ان کے دلوں کی حالت بھی ایسی ہو جائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس کے خلاف کسی طرح کی دل گرفتگی محسوس نہ کریں اور تیرے فیصلہ کے سامنے)سر تسلیم خم کر دیں۔

قرآن کریم کو شروع سے آخر تک دیکھئے ہر مقام پر مومن کی جھلکتی ہوئی نشانی یہی نظر آئے گی کہ وہ حکم خداوندی کو سنتا ہے اور سننے کے بعد اس کی **اطاعت** کرتا ہے۔ **سمع** اور **طاعت** ہی ایمان ہے۔ یہی عمل ہے۔ سننے اور اطاعت کرنے میں کوئی وقفہ نہیں۔ کوئی تامل نہیں۔ کچھ سوچ بچار نہیں کسی قسم کی تنقید و تنقیح نہیں۔ ماتھے پر شکن نہیں۔ دل میں کبیدگی نہیں ہنسی خوشی۔ بطیب خاطر۔ ہر حکم کی تعمیل ہے۔ ہر آواز پر لبیک ہے۔ راستہ میں نہ جلب منفعت کی کوئی گھاٹی قدم میں لغزش پیدا کرتی ہے نہ دفع مضرت کی کوئی جھاڑی دامن کو الجھاتی ہے۔ بیوی کی موانست اولاد کی محبت۔ جاہ و حشمت کی ہوس۔ غرضیکہ دنیا کا بڑے سے بڑا لالچ تعمیل احکام میں عناں گیر نہیں ہو سکتا نہ کسی قسم کا خوف و ہراس راستہ میں حائل ہو سکتا ہے۔

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفسقین ۹/۲۴

(اے رسول ان سے کہدو) کہ اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ۔ تمہارے بیٹے۔ تمہارے بھائی۔ تمہاری بیویاں۔ تمہاری برادری۔ تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے۔ تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو۔ تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو کلمہ حق تمہارا محتاج نہیں (تو) انتظار کرو۔ یہاں تک کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور (اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا۔

اس لئے کہ جو سنتا ہے اور سننے کے بعد کسی قسم کا کوئی خیال **اطاعت** سے مانع ہو جاتا ہے۔ تو اس کا سننا

درحقیقت سنا نہیں۔ سمع (سننا) اس کا ہے جو اس کو اطاعت میں تبدیل کر دے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ ولا تولوا عنہ و انتم تسمعون ۝

ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ۝ ‏‎۸/۲۱-۲۰‎

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم (اس کا حکم) سن رہے ہو۔

اور دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے (زبان سے) کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا ہے۔ لیکن درحقیقت انھوں نے سنا نہیں۔

جو سننا عمل میں منتقل نہیں ہوتا۔ وہ سننا بیکار ہے۔ سننے کے بعد تو طاعۃ و قول معروف (‏‎۴۷/۲۱‎) اطاعت اور جانی پہچانی ہوئی بات نہایت عمدہ بات۔ کوئی حیل و حجت نہیں۔ کوئی عذر معذرت نہیں قیل و قال نہیں۔ لیت ولعل نہیں۔ سنا۔ اور کر دکھایا حکم سامنے آیا اور اس کے سامنے جھک گئے۔ اس میں اپنا (انفرادی) فائدہ نظر آئے یا نقصان مشکل کا سامنا ہو یا آسانی کا۔ بہرحال اطاعت اور بہرکیف اطاعت۔ یہ نہیں کہ جب تک اطاعت میں اپنا انفرادی فائدہ نظر آئے تعمیل ارشاد ہو جائے اور جب مشکلات و مصائب کا سامنا ہو تو ساتھ چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوں۔

وان منکم لمن لیبطئن ۚ فان اصابتکم مصیبۃ قال قد انعم اللہ علی اذ لم اکن معھم شھیدا ۝ ولئن اصابکم فضل من اللہ لیقولن کان لم تکن بینکم وبینہ مودۃ یلیتنی کنت معھم فافوز فوزا عظیما ۝ ‏‎۴/۷۲-۷۳‎

اور (دیکھو) تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے کہ (مشکل کا سامنا ہو تو) وہ ضرور قدم پیچھے ہٹا لے۔ اور اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو (خوش ہو اور) کہے کہ خدا نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر تم پر خدا کا فضل و کرم ہو تو (حسد سے جل مرے اور) پکار اٹھے۔ گویا اس میں اور تم میں دوستی اور محبت کا کوئی رشتہ تھا ہی نہیں۔ کہ اے کاش میں ان لوگوں کے ساتھ ہوتا کہ بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتا۔

ایسی اطاعت کرنے والوں کی اطاعت کس کام کی خواہ یہ قسمیں کھا کھا کر اور قرآن اٹھا اٹھا کر یقین کیوں نہ دلائیں۔ کہ ہم مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اطاعت اور فرمانبرداری تو اس کی ہے جو گرم و سرد۔ مساعد و نامساعد ہر حال میں اطاعت شعار ہو۔

ویحلفون باللہ انھم لمنکم ۵ وما ھم منکم ولکنھم قوم یفرقون ۵ لو یجدون ملجأً او مغارٰتٍ او مدخلاً لولوا الیہ وھم یجمحون ۵ (۹ / ۵۶-۵۷)

اور یہ لوگ (قسمیں کھا کھا کر تمہیں) یقین دلاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ (درحقیقت) تم میں سے نہیں ہیں بلکہ ایک ڈرا سہما ہوا گروہ ہے (ان کی حالت یہ ہے کہ) اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے۔ یا کوئی غار یا کوئی اور چھپ بیٹھنے کا سوراخ۔ تو تم دیکھو گے کہ یہ فوراً اس کا رُخ کر لیں گے۔ اور حالت یہ ہو گی کہ گویا رسی تڑا کر بھاگے جا رہے ہیں۔

ڈرا سہما ہوا گروہ اس لئے کہ نہ ان میں اتنی جرأت ہے کہ نکھر کر الگ ہو جائیں اور اطاعت سے روگردانی کرنے کا اعلان کر دیں۔ اور نہ ہی اپنے آپ پر اتنا قابو ہے کہ اپنے انفرادی مفاد کو کلی مفاد پر قربان کر کے صدق دل سے ساتھ ہی ہو جائیں۔ یہ اطاعت نہیں سرکشی ہے۔ ایمان نہیں منافقت ہے۔

ویقولون اٰمنا باللہ وبالرسول واطعنا ثم یتولّٰی فریق منھم من بعد ذٰلک ؕ وما اولٰئک بالمؤمنین ۵ واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون ۵ ۲۴ / ۴۷-۴۸

اور یہ لوگ (زبان سے) اقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم اطاعت شعار ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک گروہ اس اقرار کے بعد روگردانی کر لیتا ہے۔ یہ لوگ مومن نہیں کہلا سکتے۔

اور جب انہیں خدا اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ تو ان میں سے ایک فریق اعراض برتتا ہے۔ لیکن اگر (انہیں معلوم ہو کہ) حق کا (فیصلہ) ان کی طرف ہو گا تو وہ بھاگتے ہوئے آئیں گے۔ سر جھکائے ہوئے۔

یہ مومن کا شعار نہیں ہے۔ مومنوں کی تو حالت یہ ہے کہ انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولٰئک ھم المفلحون ۵ ۲۴ / ۵۱

جب انہیں خدا اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ تو ان کی صدا یہ ہوتی ہے کہ ہم نے سنا اور اس (فیصلہ) کو تسلیم کر لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہیں۔

یہ ہے ایمان کی نشانی یہ ہے کامیابی کی دلیل۔ اطاعت کے بغیر فلاح و بہبود کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ ایمان کا مفہوم ہی یہی ہے کہ آپ اپنے تمام معاملات کو اپنے سے بلند قوت کے سپرد کر دیں اور پھر اس کے

فیصلوں کو حرف آخریں اور قولِ ناطق تسلیم کریں۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ

من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا ۳۳

جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرے تو کسی مومن مرد یا عورت کو اس میں اختیار باقی نہیں رہتا

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے سرتابی اختیار کی تو وہ ایک کھلی ہوئی

گمراہی میں جا پڑا۔

یہ ہے ایک مسلمان کا مسلکِ حیات یہ ہے اس کے ایمان کی نشانی۔ زندگی کی علامت۔ **اطاعت اور مکمل اطاعت**

کتاب اللہ کے ان اصولی احکام کی روشنی میں اس آسمان کے نیچے جس حکومتِ الٰہیہ کا قیام آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر ہوا۔ اس کی تاریخ کے زریں اوراق کو الٹئے اور دیکھئے کہ کس طرح ایک ایک ورق پر اس رازِ حیات کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ کہ

لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ (حضرت عمرؓ)

اسلامی زندگی بغیر جماعت کے ہے نہیں۔ جماعت کی تشکیل بلا امیر کے نہیں۔ اور امارت کا قیام

بغیر اطاعت کے نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم نے یہ کہا تھا کہ۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۸۰/۴

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

اور اللہ کے رسولؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ

من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی (او کما قال رسول اللہ)

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے

میری نافرمانی کی۔

اس حقیقت کبریٰ پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیے۔ اللہ کی اطاعت۔ رسولؐ کی اطاعت میں ہے اور رسول کی اطاعت امیر کی اطاعت میں۔ اس طرح امیر کی اطاعت، خود خدا کی اطاعت ہو جاتی ہے۔ اس اطاعت کے بغیر انفرادی

اعمال کچھ کام نہیں دے سکتے۔ جیسا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔

(انا آمرکم بخمس اللہ امرنی بھن الجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔ قالوا یا رسول اللہ صلعم ان صام وصلی۔ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم (اوکما قال رسول اللہ)

میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ جماعت۔ سمع۔ طاعت ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ یقین کرو کہ جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم اگرچہ وہ شخص روزے رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو پھر بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا) فرمایا۔ ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ اور روزے رکھتا ہو اور اپنے زعم میں اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہو۔

انسان جماعت سے الگ اسی وقت ہوتا ہے جب امیر کی اطاعت سے انحراف کرتا ہے جب اطاعت سے منحرف ہو گیا تو پھر اس کی زندگی اسلامی زندگی نہیں رہ سکتی۔ اسی لئے مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ

من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات میتۃ جاھلیۃ (اوکما قال رسول اللہ)

جو شخص اطاعت سے علیحدہ ہو گیا اور جماعت کا ساتھ چھوڑ گیا تو اس کی موت (اسلام پر نہیں) جاہلیت کی موت ہو گی۔

پھر جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ جن امور میں جی چاہا اطاعت کر لی اور جن احکام کی تعمیل سے طبیعت جی چراتی ہو اور ان پر عمل پیرا ہونا شاق گذرتا ہو۔ ان میں یہ کہ کر اطاعت سے سرتابی اختیار کر لی جائے کہ مجھے ان امور میں اختلاف ہے۔ ذاتی اختلاف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر جماعت سے تمسک اور تفرق ذاتی پسندیدگی اور ناپسندیدگی پر موقوف ہو جائے تو ایسی جماعت کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی لئے ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

من رای من امیرہ شیئا یکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ (اوکما قال)

جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اس کو (اطاعت سے منہ نہیں موڑ لینا چاہیئے بلکہ) ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر الگ ہو گیا

اور اسی پر مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

یہ تو خود اطاعت کوشی کے متعلق ہے اور اگر کوئی فتنہ پرداز تمہاری جماعت میں تشتت و انتشار کی کوشش کرے تو اس کے قتل کر دینے کا حکم ہے۔ اس لئے کہ الفتنۃ اشد من القتل چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ

من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفارق جماعتکم فاقتلوہ (او کما قال)

جو شخص تمہارے پاس ایسی حالت میں آئے کہ تمہارا امر ایک شخص پر جمع ہو چکا ہو۔ اور وہ چاہے کہ تمہاری جماعت میں تفرقہ اور انتشار پیدا کرے۔ تو اس کو قتل کر ڈالو۔

جب ایک شخص کو امیر منتخب کر لیا جائے تو جماعت میں سے کسی شخص کو انفرادی طور پر حق نہیں رہتا کہ اس کے فیصلوں پر تنقید کرے۔ جماعت کے ہر فرد پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہے۔ اور جب اطاعت سے انکار کا حق نہیں تو اس چیز کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کہہ کر کہ میں اس امیر سے بہتر ہوں۔ اپنی ٹولی الگ بنانے کی فکر کرنے لگ جائے یہ تو وہ جرم ہے جس کی سزا مندرجہ صدر روایت کے مطابق قتل ہے۔

امیر ہر شخص کی اپنی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا جماعت کی مرضی کے مطابق منتخب ہو سکتا ہے۔ افراد کو اپنی پسند جماعت کی پسند کے تابع رکھنی ہوگی۔ اور جماعت کے منتخب کردہ امیر کی اطاعت ہر فرد پر ضروری ہو جائیگی خواہ کوئی امیر منتخب ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے۔

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی (او کما قال رسول اللہ)

سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ حبشی غلام ہی تم پر امیر کیوں نہ مقرر کر دیا جائے۔

تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم امیر کے فیصلوں کی اطاعت کرو۔ امیر اپنی ذمہ داری کے لئے خود مسئول ہے۔

اسمعوا واطیعوا فانما علیہم ما حملوا وعلیکم ما حملتم (او کما قال رسول اللہ)

سنو اور اطاعت کرو اس لئے کہ امیروں کے ذمہ وہ چیزیں ہیں جو ان کی ذمہ داری میں دی گئی ہیں اور تمہاری ذمہ داری خود تمہارے اوپر ہے۔

یہ ہے اسلام اور اسی کے اندر جنت ہے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے جماعت کی تاکید اس اجتماع عظیم میں جس کی نظیر آسمان کی آنکھوں نے آج تک نہیں دیکھی۔ حجۃ الوداع میں دیگر احکام کی تاکید کے بعد فرمایا کہ۔

واطیعوا اذا امرتم تدخلوا جنۃ ربکم ۔ (او کما قال)

اور جب تم کسی کو امیر بناؤ تو اس کی اطاعت کرو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے

ان ارشادات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ مسلمان کی حقیقی زندگی اور زندگی کی فلاح و بہبود کا راز کیا ہے ؟

کتاب و سنت کی ان تصریحات کے بعد اس چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ صدر اول کے مسلمانوں کے نظائر و آثار پیش کر کے بتایا جائے کہ ان کے نزدیک اطاعت کی اہمیت کتنی تھی ۔ وہ تو اطاعت کے پیکر تھے ۔ ہمہ تن متابعت تھے ۔ اطاعت ان کا ایمان تھا ۔ اطاعت ان کا عمل تھا ۔ اور یہی ایمان و عمل تھا جس سے چند سال کے عرصہ میں ایک اونٹ چرانے والی ۔ کھجوروں کی گٹھلیوں پر گزارہ کرنے والی ۔ بادیہ نشین قوم قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی مالک اور شرق و غرب کی حکمراں بن گئی تھی ۔ یہ دنیا بھی ان کی تھی اور اگلی دنیا بھی ان کی اطاعت سے سرکشی تو ایک طرف اس کا خیال تک بھی ان کے گوشۂ تصور میں نہ آ سکتا تھا ۔ مجالس مشاورت میں بحث و تمحیص بھی ہوتی تھی ۔ آزادیٔ رائے اور حریتِ فکر موجود تھی ۔ آراء میں اختلاف بھی ہوتا تھا ۔ لیکن جب امیر کی طرف سے فیصلہ صادر ہو جاتا تھا تو پھر نہ کوئی اختلاف باقی رہتا تھا نہ اختیار ۔ اس وقت حکم کی تعمیل ان کا مسلک تھا اور فیصلہ کی اطاعت ان کا مشرب ۔ بحث و تمحیص میں کسی نے کیا کہا تھا اور کیا سنا ۔ اس کی یاد تک باقی نہیں رہتی تھی ۔ جب عمل کا وقت آتا تھا تو یہ تمام چیزیں ختم ہو جاتی تھیں ۔ اس وقت کیفیت یہ ہوتی تھی کہ

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں !

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

اس وقت ہر شخص حکم کی اطاعت میں مسابقت کے لئے یوں پیش پیش ہوتا تھا گویا ؎

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا ۔

ادھر سے یہ ہوتا تھا اور ادھر سے خدا کی رحمتیں ابر بہار کی طرح یوں گہرباری کرتی تھیں کہ ہر شخص اللہ کے فضل و کرم سے جھولیاں بھر بھر کر لوٹتا تھا ۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔ و ذالک الفوز المبین ۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے ادائیگی زکوٰۃ میں حجت نکالنے والے قبیلہ کے خلاف تادیبی کارروائی کا سوال اٹھایا تو اور تو اور حضرت عمرؓ تک کو بھی آپ سے اختلاف تھا لیکن جب معاملہ پر غور و خوض اور بحث و نظر کے بعد حضرت صدیقؓ نے ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا فیصلہ صادر فرما دیا تو یہ تمام صحابہؓ صفوں میں موجو

تھے۔ نہ کسی نے اپنے اختلافِ رائے کی بنا پر اطاعت سے انحراف کیا نہ اپنے تفقہ کی برتری اور اسلام کی خدمات کے زعم میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ یہ چیزیں تو ان حضرات کے حیطۂ خیال میں بھی نہیں آسکتی تھیں۔ بڑے بڑے اربابِ قوت و اقتدار کو بھی جب بابِ امارت سے حکم پہنچتا تھا تو وہ لرز اٹھتے تھے۔ یہ لرزنا اور کانپنا معاذ اللہ استبداد کا نتیجہ نہ تھا کہ خدا کی حکومت میں ایک انسان کا دوسرے انسان پر استبداد و تغلب کیا؟ ان احکام کی اطاعت کو وہ لوگ خدا اور رسولؐ کی اطاعت سمجھتے تھے اور کانپ اٹھتے تھے اس احساس سے کہ ان کی اطاعت میں کہیں چوک نہ ہو گئی ہو یا کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو جائے۔ وہی تضرع و تخشع جو نماز کے سجدوں میں ان کے قلوب میں ارتعاش اور آنکھوں میں آنسو پیدا کر دیتا تھا۔ مرکز کے حکم کے سامنے اسی احساس سے بدن میں لرزش پیدا ہو جاتی تھی اور سمعنا (ہم نے سنا) و اطعنا (اور اس کی اطاعت کر دی) کے سوا ان احکام کا کوئی اور جواب نہیں ہوتا تھا۔ یہ وہ تھے جنہوں نے اسلام کی حقیقت کو سمجھا تھا۔ رازِ حیات کو پا لیا تھا۔

کتاب و سنت کی ان تصریحات و شواہد اور دورِ اسلامی کے ان نظائر و بصائر کو سامنے رکھئے اور اس کے بعد اپنے موجودہ دور کی طرف آئیے۔ اس میں کسے کلام ہے کہ یہ دور دورِ اسلامی نہیں بلکہ قریب قریب دورِ جاہلیت ہے۔ اس دورِ جاہلیت کو دورِ اسلامی بنانے کے لئے دلوں میں کچھ تڑپ پیدا ہونی شروع ہوئی ہے خاک کے ان منتشر ذروں میں پھر سے زندگی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ لٹے ہوئے قافلے کے بکھرے ہوئے افراد کے دلوں میں احساسِ زیاں نے تپش و خلش کا خفیف سا سوز پیدا کیا ہے اب غور کیجئے کہ ان مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ایک جماعت بناتے ہیں۔ آپ سب کچھ دیکھ بھال کر بلا جبر و اکراہ اپنے آپ کو اس جماعت سے منسلک کرتے ہیں۔ اس کے آئین و ضوابط کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی رکنیت قبول کرتے ہیں۔ اپنے میں سے ایک امیر متعین کرتے ہیں اس امیر کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں اس تمسک و اقرار کا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد آپ کی حالت یہ ہو کہ آپ اس جماعت سے وابستگی کا دعوےٰ بھی کرتے جائیں لیکن اس کے آئین و ضوابط کی پرواہ نہ کریں۔ اس سے منسلک و متمسک ہونے کا اعتراف تو ہر وقت ہو لیکن اس کے فیصلوں کی اطاعت صرف اس وقت تک کریں جب تک اس اطاعت میں آپ کو اپنا ذاتی مفاد نظر آئے اور جونہی آپ کی خواہش یا مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہو۔ آپ بلا تامل اس کی اطاعت کا قلادہ اتار پھینکیں لیکن باینہمہ اس جماعت کی رکنیت کا دعوےٰ بدستور قائم رکھیں۔ تو فرمائیے کہ اسلامی میزان و معیار کے مطابق

آپ کی اس روش کو کیا کہا جائے گا مشکل یہ ہے کہ اس امر کا احساس ہی نہیں کہ ہم جماعت کی تشکیل - امیر کا انتخاب اس کی اطاعت کا اقرار - ایک مسلمان کی حیثیت سے کر رہے ہیں اور اس بنا پر جماعت سے تمسک اور امیر کی اطاعت ایک مذہبی فریضہ کے طور پر ہم پر لازم آجاتی ہے - ہم نے سمجھ یہ رکھا ہے کہ جس طرح مغرب میں پارٹیاں بنتی ہیں اور ٹوٹتی ہیں لوگ مشغلہ کے طور پر - یا زیادہ سے زیادہ بعض سیاسی مفاد و مصالح کی خاطر مختلف احزاب (پارٹیوں) سے متمسک ہو جاتے ہیں - جب تک جی چاہا اس جماعت کے ساتھ رہے جب جی اکتا گیا - الگ ہو گئے - پھر حسب منشا کوئی اور پارٹی تلاش کرلی - اس کے ساتھ ہو لئے - یہی کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ لیکن مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ ایک اسلامی جماعت کے ساتھ تمسک اور اس کے امیر کی اطاعت ایک مشغلہ یا سیاسی مصلحت نہیں - تمہارے لئے جزو مذہب - بلکہ عین مذہب ہے یہ ایک دلچسپی کا سامان نہیں موت اور زندگی کا سوال ہے - ایک مسلمان کا اسلامی جماعت سے الگ ہو جانا دائرہ اسلام سے الگ ہو جانے کے مرادف ہے - اس کا اپنے امیر کی اطاعت سے الگ ہو جانا سرتابی اختیار کرلینا سیدھا جہنم میں چلے جانا ہے مسلمانوں نے محض ایک کھیل سمجھ رکھا ہے لیکن نہیں جانتے کہ یہ کھیل نہیں دنیا اور آخرت کی سرفرازی یا روسیاہی کا سوال ہے! جماعت سے بالشت بھر الگ ہو جانے والا ارشادات نبویؐ کے مطابق اسلام سے الگ ہو جاتا ہے خواہ وہ لاکھ نمازیں پڑھے اور ہزار روزے رکھے - اسلام میں انفرادی زندگی - اسلامی زندگی نہیں ہے - جاہلیت کی زندگی ہے - جماعت سے الگ رہنے والا - دعوے اسلام کے باوجود اسلام سے باہر ہوتا ہے - اطاعت امیر سے انحراف کرنے والا صرف اپنے آپ کو فریب دے سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہے - اللہ اور اس کے رسولؐ کو فریب نہیں دے سکتا - اس کے لئے اللہ کا فیصلہ واضح اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کھلے کھلے موجود ہیں - اس میں شبہ نہیں کہ مدتوں سے بھولی بسری قوم کو ان صداقتوں کی یاد کے لئے بھی ایک وقت درکار ہے لیکن ہمارا تخاطب عوام سے نہیں - ہم تو ان ارباب حل و عقد کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کو راستہ دکھانے کے مدعی اور اس باطل کدہ میں پھر سے اسلامی زندگی پیدا کرنے کے دعویدار ہیں - ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے سامنے خدا اور رسولؐ کی یہ تصریحات موجود ہیں یا نہیں! یا کیا آپ بھی محض مغرب کی نقالی سے ایک سوانگ رچائے بیٹھے ہیں! ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ خود حضرات بھی ان حقائق سے مشغلہ کے طور پر کھیل کھیل رہے ہیں - جب تک ان کا جی چاہا - ساتھ رہے جب مصلحت کچھ اور نظر آئی - الگ ہو گئے - جماعت کا فیصلہ کچھ ہے - یہ اپنی طرف سے کچھ اور ہی کہے چلے جا رہے ہیں - زبان سے لمبے چوڑے دعوے

ہیں کہ ہم اطاعت شعار ہیں لیکن اندر ہی اندر جماعت اور اس کے امیر کے خلاف سازشیں بھی ہو رہی ہیں۔

ویقولون طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول ط واللہ یکتب

ما یبیتون ج فاعرض عنھم وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا ۴/۸۱-۸۲

اور دیکھو یہ لوگ سامنے تو کہدیتے ہیں) کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن جب تمہارے پاس سے

اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو راتوں کو (چھپکے چھپکے) مجلس جماتے ہیں (درجہ

کچھ تم کہتے ہو اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور راتوں (کی ان مجالس) میں جو کچھ کرتے ہیں وہ

(اللہ سے مخفی نہیں۔ وہ سب کچھ ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ رہا ہے!

پس (جب ان لوگوں کا حال یہ ہے) تو چاہیئے کہ ان کی طرف سے توجہ ہٹالو اور اللہ پر بھروسہ

کرو۔ کارسازی کے لئے اللہ کی کارسازی بس کرتی ہے۔

اندر اندر یہ حالت ہے اور جب پلیٹ فارم پر لوگوں کے سامنے آتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے اپنی اطاعت اور وفاکیشی کی قسمیں کھاتے ہیں اور قرآن اٹھا اٹھا کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم تو اپنے امیر کے کمربستہ غلام ہیں۔ حالانکہ جو فی الواقعہ اطاعت شعار ہے اسے کسی قسم اور سوگند کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کا عمل سب سے بڑی شہادت اور اس کی روش سب سے محکم سوگند ہے۔

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن امرتھم لیخرجن ط قل لا تقسموا ج

طاعۃ معروفۃ ط ان اللہ خبیر بما تعملون ۰ ۲۴/۵۳

یہ لوگ پورے زور و شور سے قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم انھیں حکم دو گے تو یہ (اسکی تعمیل کے

لئے) یقیناً نکل کھڑے ہونگے۔ ان سے کہو کہ قسموں کی ضرورت نہیں (ضرورت ہے) ایک

جانی پہچانی ہوئی طاعت کی۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

اور یہ اطاعت ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں یکساں ہو گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بعض معاملات میں امیر کی اطاعت کرو اور بعض میں ان لوگوں کے ساتھ جا ملے جو تمہارے نظام ملی کے ازلی دشمن ہیں۔ اس روش زندگی سے اللہ کا رسوا کن عذاب محیط ہو جاتا ہے اور تمام اعمال غارت ہو کے رہ جاتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہی رسوائی کیا کم ہے کہ تمہیں اللہ نے جنہیں غالب رہنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ ان کے سامنے جھولیاں پھیلاتے ہو اور ان کی مدد سے اپنی دھاک اور قوت کے قیام کی کوشش کرتے ہو! قرآن کریم اس روش زندگی کو ایک مسلم کی زندگی نہیں بلکہ مرتد کی زندگی

قرار دیتاہے۔

ان الذین ارتدوا علیٰ ادبارھم من بعد ما تبین لھم الھدیٰ

الشیطٰن سول لھم ط واملیٰ لھم ہ ذالک بانھم قالوا للذین کرھوا ما نزل اللہ

سنطیعکم فی بعض الامر ج واللہ یعلم اسرارھم محمد ۲۵-۲۶

یقیناً وہ لوگ جو بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی۔ اپنی پیٹھ موڑ کر مرتد ہو گئے اور شیطان نے انھیں اس بات کو معمولی سی بات بنا کر دکھا دیا۔ اللہ انھیں مہلت دیتا ہے۔

یہ اس لئے کہ یہ لوگ ان سے کہتے ہیں جو اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں جو اللہ نے نازل کی ہو کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے۔ اللہ ان کے بھیدوں سے واقف ہے۔

اس سے آگے ہے کہ موت کے وقت اللہ کے فرشتے انھیں سخت عذاب دیں گے اور ان کے تمام اعمال غارت ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ انھوں نے اس چیز کی اطاعت کی جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ جا ملنا تو در کنار بعض معاملات میں بھی ان کی اطاعت قبول کر لینا۔ اللہ کے نزدیک اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ ایسے لوگوں پر اس کی لعنت برستی ہے اور ان کا سب کچھ کیا کرایا بے نتیجہ ہو کے رہ جاتا ہے اس قسم کی حرکات صرف ان لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں جو خدا کے احکام کے مقابلہ میں اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک کھلا ہوا شرک ہے۔

افرأیت من اتخذ الٰھہٗ ھواہ واضلہ اللہ علیٰ علم وختم علیٰ سمعہٖ و

قلبہٖ وجعل علیٰ بصرہٖ غشاوۃ ط فمن یھدیہ من بعد اللہ ط افلا تذکرون ہ ۴۵ / ۲۳

کیا تو نے اس کی حالت پر بھی غور کیا جس نے خود اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا لیا۔ اور اللہ کے قانون نے اسے باوجود علم رکھنے کے گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ سو اللہ کے قانون کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔ کیا تم اس سے نصیحت حاصل کرو گے۔

ذرا اس حقیقت کبریٰ پر غور کیجئے۔ ایک شخص اسے خوب جانتا ہے کہ غیر کبھی اپنے نہیں ہو سکتے۔ ان کے دل کبھی صاف نہیں ہو سکتے۔ وہ محض سودا کرتے ہیں۔ وہ شکاری ہیں ان کے ارادے کبھی نیک نہیں ہو سکتے وہ کبھی اسے گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ ان کی حالت بہتر ہو جائے۔ وہ ہمیشہ ان کی تخریب میں کوشاں اور تذلیل میں ساعی رہتے۔ لیکن اس علم کے باوجود یہ اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔ آنکھیں رکھتا ہے لیکن بصیرت سے محروم۔

کان موجود ہیں لیکن نا آشنائے سماعت۔ سینے میں دل بھی دھڑکتا ہے لیکن اس قابل نہیں کہ معاملہ کو سوچ سمجھ سکے۔ یہ سب اس لئے کہ اس کی اپنی خواہشات اور ذاتی مفاد کے تصور نے اس کے جذبات کو گرما کر ان میں ایسی تیزی پیدا کردی ہے جو آنکھوں کے سامنے دھند کا پردا بن کر چھا گئی ہے جس نے اس کے قلب پر غلاف چڑھا دیا ہے جس نے اس کے کانوں کے پردوں کو ماؤف کر دیا ہے۔ پوری کی پوری جماعت اس کی اس روش غارتگری کے خلاف پکارتی ہے لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دیتا۔ تمام اپنے، اس کے مسلک کے نتائج و عواقب کو اس کے سامنے لاتے ہیں لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہر ہی خواہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کوئی ٹھیک بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی یہ اس لئے کہ اس کے ذاتی مفاد نے اس کے قلب و نگاہ میں ایسی جاذبیت پیدا کر رکھی ہے کہ اسے کچھ اور سجھائی نہیں دیتا۔ یہ ہے وہ مقام جہاں انسان علانیہ سرکشی پہ اتر آتا ہے اور کھلی ہوئی سرتابی اختیار کر لیتا ہے۔ جہاں ذاتی مفاد، ملی مفاد پر غالب آئے۔ سرکشی پیدا ہوگئی، جہاں حق لوگوں کی خواہشات کے تابع ہوا۔ فساد ہی فساد برپا ہوگیا۔

ولو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن

فيهن، بل اتينٰهم بذكرهم فهم عن ذكرهم معرضون ۲۳/۷۱

اگر حق لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان سب میں فساد برپا ہو جائے۔

یہ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ جماعت ان کی خواہشات کی تابع ہو جائے۔ یہ جماعت کے فیصلوں کے تابع نہ رہیں۔ جب تک امیر ملت ان کے ساتھ ہمنوا رہے یہ اس کی اطاعت کا دعوے کرتے رہیں اور جونہی کسی معاملہ میں اس سے اختلاف ہو۔ پہلے اسے ڈرانا دھمکانا شروع کریں۔ پھر اس پر طرح طرح کے الزام لگائیں۔ اور بالآخر ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جائیں یہ سب اس لئے کہ ان کے سامنے محض اپنا ذاتی مفاد ہے۔ ملت کا مفاد کوئی شے نہیں حالانکہ اگر یہ لوگ غور کریں تو اس حقیقت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں کہ جس چیز کو ملت کا مفاد (یعنی اپنا نہیں کسی غیر کا مفاد) سمجھا جاتا ہے وہ کسی غیر کا نہیں بلکہ خود اپنا ہی مفاد ہوتا ہے۔ کیا سارے جسم کی قوت خود معدہ کی قوت نہیں ہے اگر کبھی معدہ اس بات پر اکڑ جائے کہ جو کچھ مجھ میں آتا ہے سارے کا سارا خود ہی رکھ لوں اور باقی اعضاء کو اس میں سے کچھ نہ دوں تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ خود معدہ کتنے دن زندہ رہ سکیگا؟ سارے جسم کی تنومندی اور قوت خود معدہ کی تنومندی اور قوت ہے۔ اگر جسم کمزور ہوگیا تو معدہ بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ تو ایک ایسا چکر ہے، جس میں ایک دوسرے سے الگ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نظام میں ایک ایک ذرّہ دوسرے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔

ان کا باہمی تعلق لاینفک اور نہایت گہرا ہے۔ ان کی انفرادی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ کائنات کا یہ ربط وضبط۔ یہ نظم ونسق حق ہے اگر یہ حق کسی ایک ذرّہ کی ذاتی خواہش کے تابع ہو جائے اور وہ سمجھ بیٹھے کہ میرے مفاد نظامِ کلی سے الگ اور جداگانہ ہیں۔ تو سارا نظام بگڑ جائے گا اور جب نظام ہی نہ رہیگا تو وہ ذرہ کہاں باقی رہے گا جس نے اپنی جداگانہ بقا و بہبود کے زعمِ باطل میں نظام کی اطاعت کو چھوڑا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہی مٹ جائے گا۔

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا!
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے!

فرد کی ہستی جماعت کے ساتھ ہے۔ سمندر اگر اوپر کو ابھرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ایک قطرۂ ناتواں بھی ابھرتا ہے۔ وہ اگر نیچے جاتا ہے تو بڑی بڑی موجیں بھی ساتھ ہی نیچے جاتی ہیں۔ ان میں سے نہ کوئی سمندر (یعنی اپنے کل) سے الگ ابھر سکتا ہے نہ نیچے جا سکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی سمجھ کی بھول ہے۔ حقائق سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ قوم ذلیل ہو اور قوم کے افراد معزز و مکرم! جو افراد قوم سے الگ اپنی ذاتی عزت اور وجاہت کے خیال میں مگن ہیں۔ وہ فریب خوردہ ہیں۔ حقیقت ناآشنا ہیں۔ وہ جانتے نہیں کہ دنیا انھیں کیا سمجھتی ہے۔ ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اگر یہ پردے اٹھ جائیں تو انھیں اپنا صحیح مقام نظر آجائے اس وقت انھیں معلوم ہو جائے کہ ہاں! سچی عزت فی الواقع قوم کے ساتھ رہنے میں ہے۔ اصل حکومت۔ درحقیقت اطاعت کے اندر ہی ہے۔ سرکشی لعنت ہے اور لعنت کا فطری نتیجہ ذلت و رسوائی ہے خواہ وہ ذلت و رسوائی نگاہوں کی بھول سے کتنے ہی خوشنما پردوں میں کیوں نہ چھپی ہو۔

اسلام کی میزان میں اطاعت سے سرتابی کی سزا اس قدر سنگین اس لئے ہے کہ اس کے نتائج بڑے تباہ کن اور دور رس ہیں بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اثر افراد سے آگے بڑھ کر جماعت کی تخریب کا باعث ہو جاتا ہے۔ اطاعت سے انحراف بھی اسی قسم کا جرم ہے اور ایسا جرم کہ اس کے اثرات بڑی ہولناک تباہیوں کا موجب بنتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہے کہ

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصٰبرین ۝ ع ۴۶

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی۔ ہر معاملہ میں ثابت قدمی سے رہو اللہ ثابت قدمی سے رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

جب جماعت میں سے ایک فرد بھی اطاعت سے سرکشی اختیار کرتا ہے تو جماعت کے ربط وضبط پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے اس عمل کی مدافعت میں کچھ نہ کچھ تو کہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی نہ کوئی ہمنوا بھی مل جائے۔ اگر دو چار بھی اس کے ساتھ ہو گئے تو باہمی تنازعہ کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ موافق مخالف دلائل بازی ہوگی۔ ایک دوسرے پر تنقید کی جائے گی۔ جماعت دو گروہوں میں بٹ جائے گی اور بالآخر جس گروہ کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ اپنی ٹولی الگ بنالے گا اور یوں ایک فرد کی ابتدا سے جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ لہٰذا جماعت کو ایسے تباہ کن اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس جرم کی سزا سخت ترین رکھی جائے۔ جماعت کے فیصلے تنقید کی حدود سے بالاتر ہونے چاہئیں۔ جب کوئی معاملہ پیش ہو تو ہر شخص کو اس پر آزادانہ گفتگو کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب فیصلہ ہو جائے تو اس کے خلاف آواز اٹھانے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ اس وقت جو شخص اس پر تنقید کرے گا وہ ملت کا غدار ہے اس فتنہ کو فوری دبا دینا چاہیئے اور ایسے آہنی ہاتھوں سے دبانا چاہیئے کہ دوسروں کے لئے موجب عبرت ہو۔ اس لئے کہ وہ جراثیم جو پوری کی پوری جماعت کے لئے ہلاکت کا سامان اپنے اندر رکھتے ہوں۔ انھیں جس قدر جلد فنا کر دیا جائے۔ بہتر ہے اس میں کسی کی رعایت نہیں ہونی چاہیئے خواہ وہ کتنے ہی بڑے اثر و اقتدار کا مالک کیوں نہ سمجھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اثر و اقتدار افراد کی ملکیت ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ جماعت ہی کا اثر ہونا چاہیئے اور جماعت ہی کا اقتدار۔ جب تک کوئی شخص جماعت کے ساتھ ہے اس کی خدمات اور قابلیت کے مطابق اس کی عزت و تکریم اور اثر و اقتدار ہے۔ لیکن جونہی اسنے جماعت کے فیصلوں سے منہ موڑا۔ اس کا تمام اثر اقتدار چھین جانا چاہیئے۔ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ افراد جماعت کے محتاج ہیں نہ کہ جماعت افراد کی۔ جب حق لوگوں کی خواہشات کا تابع ہو جائے تو اس کا فطری نتیجہ فساد ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب جماعت افراد کی محتاج ہو جائے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے دورِ جاہلیت سے اسلامی دور کی طرف آنے کا احساس تو کیا ہے لیکن صدیوں سے عجمی تصوّرات سے متاثر قلوب میں اسلامی تصوّرات آتے آتے ہی آئیں گے یوں تو جس سے پوچھیے وہ بلا تکلف کہدے گا کہ اسلام میں دین اور سیاست دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ ان کا دین، سیاست اور سیاست، دین ہے۔ لیکن چونکہ دین اور سیاست صدیوں تک الگ الگ رہ چکے ہیں

اس لئے عملی طور پر اب بھی اکثر مواقع پر غیر شعوری طور پر دین اور سیاست کو الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ اسی مسئلہ اطاعت اور تمسک بالجماعت کو لیجئے۔ کتاب وسنت کی بین تصریحات کے بموجب اسلامی جماعت سے تمسک اور امیر کی اطاعت مسلمان ہونے کے لئے شرط ہے لیکن عملاً اسے ایسا سمجھا نہیں جاتا۔ عملاً ہمارے ذہن میں ابھی تک یہی تصور ہے کہ قوم کے مقاصد پیش نظر کے حصول کے لئے باہمی اتفاق و اتحاد ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ یعنی جس طرح ہندوؤں نے باہمی اتحاد سے ایک جماعت پیدا کرلی ہے اور اپنے لیڈر کی اطاعت سے اس جماعت میں قوت پیدا ہو رہی ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی **چاہیئے** کہ وہ جماعت کے ساتھ رہیں اور لیڈر کی اطاعت کریں حالانکہ ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ہندوؤں نے باہمی اتحاد اور متابعت کی صورت اختیار کی ہے تو ایک سیاسی مصلحت کوشی کی خاطر ایسا کیا ہے یعنی (AS A MATTER OF POLICY) لیکن مسلمانوں کے ہاں یہ چیز عین مذہب ہے۔ اسلام کی مظہر جماعت ہے اور کوئی مسلمان۔ مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جماعت کے ساتھ نہ ہو اور امیر کی اطاعت نہ کرے لہٰذہ جن کے ہاں دوسروں کی اطاعت محض ایک مصلحت بینی ہے مسلمان کے لئے اطاعت فریضۂ خداوندی ہے۔ یہ حقیقت ابھی تک ہماری نگاہوں سے مستور ہے۔ ہمارے ہاں جو لوگ اسلامی جماعت کے ساتھ شامل ہیں اور اپنے منتخب امیر کی اطاعت کرتے ہیں، وہ بھی بالعموم یہ چیز اس گہرے احساس کے ساتھ نہیں کرتے کہ یہ چیزیں اسی طرح سے فرض ہیں جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے صرف فرض ہی نہیں بلکہ تمام فرائض سے مقدم۔ اس لئے کہ جب اسلام کی عملی شکل یعنی جماعت ہی موجود نہ ہوگی تو باقی فرائض ادا کس طرح ہونگے ؛ ہماری نگاہوں میں جماعت اور اطاعت کی یہ حیثیت نہیں ہے اور جب تک یہ حیثیت ہمارے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی اس وقت تک ہمارے اعمال نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے ۔

لیکن ہمارے ہاں تو معاملہ ہی بالکل برعکس ہے ۔ بجائے اس کے کہ ہم ضبط و اطاعت کو اصل دین اور مرکز حیات سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں۔ ہم نے تو اسے اتنی بھی اہمیت نہیں دی جتنی ان قوموں کے ہاں موجود ہے جو ان باتوں کو بہ تقاضائے مصلحتِ قومی اختیار کرتی ہیں۔ کبھی وہ وقت تھا کہ ساری دنیا اپنے معاملات کی اصلاح کے لئے مسلمانوں کی مثالیں پیش کیا کرتی تھی لیکن .... آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں عبرت و موعظت کے لئے دوسروں کی روش و مسلک کو بطور نظیر سامنے لانا پڑتا ہے ۔ ذرا انگریزوں کو دیکھیئے جن کی معاشرت کی ہر برائی کی آپنے بڑے فخر سے نقل اتاری ہے لیکن ان کی کسی خوبی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ جرمنی نے

اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ مسٹر چیمبرلین قوم کا منتخب شدہ لیڈر (وزیر اعظم) ہے مسٹر چرچل اور ان کے دوسرے ہم نوا مبصرین و مدبرین اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ چیمبرلین کی پالیسی قوم کو ہلاکت و بربادی کے عمیق گڑھوں کی طرف لئے جا رہی ہے۔ اس پر تنقیدیں کی جاتی ہیں اختلاف آراء کے بڑی گرمجوشی سے مظاہرے ہوتے ہیں۔ اس کی پالیسی کے خلاف مضامین لکھے جاتے ہیں۔ تقریریں ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب وہ ایک فیصلہ صادر کر دیتا ہے تو سب مخالفت ختم ہو جاتی ہے۔ ہر شخص بلا چون و چرا اس کی اطاعت کرتا ہے۔ چرچل وہیں موجود تھا وہ اور اس کی پارٹی اچھی طرح سے دیکھ رہی تھی کہ وہ چیمبرلین سے کہیں بہتر ہے۔ اور قوم کی سلامتی اس میں ہے کہ پالیسی اس کے ہاتھ میں ہو۔ لیکن بایں ہمہ وہ جماعت سے الگ ہو کر اپنی لیڈری جداگانہ قائم نہیں کرتا۔ چیمبرلین کے ہر فیصلہ کی اطاعت کرتا ہے اور اس وقت تک اطاعت کرتا رہتا ہے جب تک قوم اسے وزیر اعظم تسلیم کئے رکھتی ہے۔ اس کے بعد جب مسٹر چرچل وزیر اعظم ہو جاتے ہیں تو جو لوگ مسٹر چیمبرلین کے زمانہ میں ارباب بست و کشاد تھے وہ مسٹر چرچل کے دست و بازو بن جاتے ہیں اور ان کی پالیسی کی بھی اسی جذب و انہماک سے تعمیل کرتے ہیں۔

اتنی دور نہ جانا ہو تو یہیں ہندوستان میں دیکھئے۔ ہندو قوم نے اپنے میں سے ایک شخص کو اپنا لیڈر منتخب کر رکھا ہے اس کے گرد و پیش متعدد ایسے لوگ ہیں جو ہندو جاتی میں کچھ کم اثر و اقتدار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہزار بار مسٹر گاندھی سے اختلاف ہوا ہے۔ فرعی اختلاف نہیں اصولی اختلاف مسٹر گاندھی کی پالیسی کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں۔ مضامین لکھے جاتے ہیں لیکن کیا مجال جو ان میں سے کسی ایک نے کبھی اطاعت سے سرتابی کی ہو جب تک وہ لیڈر ہے اس کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا حالانکہ بعض اوقات وہ لیڈر اس قسم کے فیصلے بھی دیدیتا ہے جس پر دنیا ہنستی ہے یہ لوگ خود بھی محسوس کرتے ہیں لیکن بایں ہمہ اطاعت سے کوئی بھی انحراف نہیں کرتا جب کبھی ایسا ہو کہ مسٹر گاندھی کی پالیسی کے خلاف طریق کار مناسب سمجھا جائے تو اس وقت سب مل بیٹھ کر تجویز کرتے ہیں۔ مسٹر گاندھی ان سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک دوسری روش اختیار کر لیتے ہیں لیکن اس وقت بھی یہ نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ مسٹر گاندھی کے ساتھ ہو جائیں اور کچھ ان کے ساتھ۔ سب کا فیصلہ متفقہ اور سب کی آواز ایک ہوتی ہے۔ اس سارے عرصہ میں دو ایک واقعات ایسے ہوئے کہ (مسٹر نری مان۔ کھارے یا بوس وغیرہ نے) مسٹر گاندھی کی اطاعت سے انحراف کیا۔ اس پر قوم نے انھیں جو سزا دی وہ سب کے سامنے ہے ان پر دنیا تنگ کر دی۔ جینا مشکل ہو گیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ دوسروں کو عبرت ہو گئی۔ اب کیا مجال جو کوئی سرکشی کا تصور بھی ذہن میں لائے۔ یہ

اس قوم کی کیفیت ہے جن کا نہ خدا ایک۔ نہ رسول ایک۔ نہ کتاب ایک۔ نہ مذہب ایک۔ نہ کیش و مشرب ایک۔ نہ تصورِ حیات۔ لیکن بایں ہمہ ایک قومی مقصد کے حصول کی خاطر انھوں نے اپنے اندر اس قدر انضباط و اطاعت کا جذبہ پیدا کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ انگریز سے معاملہ ہو یا مسلمان سے۔ کوئی بھانت بھانت کی بولیاں نہیں بولتا سب اسی ایک لیڈر کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، اور ان کی اس یکجہتی اور ہم آہنگی۔ اطاعت و انقیاد کے چمکتے ہوئے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ وہ تو یوں کہیئے کہ اس قوم کی فطری تنگ دلی اور تنگ ظرفی ہے جس نے اسے اس قدر اطاعت اور اتحاد کے باوجود زیادہ آگے نہیں بڑھنے دیا۔ ورنہ اگر ان میں حریت آشنا قوموں کی کچھ بھی خوبیاں ہوتیں تو آپ دیکھتے کہ ان کا جوہرِ اطاعت و اتحاد کیا رنگ لاتا۔

اور ان کے برعکس مسلمان! الاماں و الحفیظ!! گیدڑوں سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا نمبردار کون ہے بولے کہ جس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دو وہی نمبردار! مسلمانوں میں بھی ہر شخص اپنے آپ کو "واحد لیڈر" سمجھتا ہے اس جماعت میں سب امام ہی امام ہیں۔ مقتدی کوئی نہیں۔ یہ ایک جماعت سے وابستہ ہیں۔ جماعت کے اجلاس میں شریک ہوتے ہیں معاملاتِ زیرِ نظر پر غور و خوض ہوتا ہے۔ بحث و تمحیص کے بعد ایک فیصلہ ہوتا ہے جب وہی فیصلہ ان کے منتخب کردہ امیر کی وساطت سے باہر آتا ہے تو مشرق سے کچھ آواز اٹھتی ہے اور مغرب سے کچھ اور۔ ایک کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ۔ کوئی ہندوؤں کی طرف بھاگا بھاگا جاتا ہے کہ مصالحت کی گفتگو کرنی ہو تو مجھ سے کیجئے۔ میں ہی سب کچھ ہوں۔ کوئی انگریز کو یقین دلا رہا ہے کہ یہ جماعت اور اس کے فیصلے۔ یہ امیر اور اس کے احکام کچھ نہیں۔ مجھے ساتھ رکھو تو پھر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اگر کہیں کوئی مرحلہ ایسا آ جائے جس میں ذرا سے ایثار کی ضرورت ہو۔ نہیں ایثار کی بھی نہیں! صرف اتنی سی بات کہ جس سے دوسروں پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ لوگ فی الواقعہ جماعت کے ساتھ اور امیر کے تابع ہیں۔ تو ان پر آسمان ٹوٹ پڑتا ہے۔ گھبرائے گھبرائے پھرتے ہیں۔ پھر کوئی تو خفیہ سازشیں شروع کر دیتا ہے اور کوئی رسہ تڑا کر بھاگ اٹھتا ہے۔ کسی کو کچھ اطمینان اور یقین نہیں کہ کس وقت کون کیا کر بیٹھے اور کیا کر گذرے! ہر شخص اپنے اپنے ذاتی مفاد کو سامنے رکھے ہے۔ جب تک وہ مفاد جماعت کے ساتھ رہنے میں محفوظ ہے جماعت کے ساتھ ہیں۔ جب الگ ہو جانے میں فائدہ ہے۔ الگ ہیں۔ جسے امیر منتخب کرتے ہیں ہر وقت اس فکر میں ہیں کہ اسے نیچے گرا کر خود اس کی جگہ لے لیں۔ امام کے پیچھے نماز میں کھڑے ہیں اور آستین میں خنجر چھپائے ہیں کہ جونہی موقع ملے پیٹھ میں گھونپ دیا جائے۔ یہ تو یوں کہیے کہ کچھ نصب العین کی صداقت اور ان کے امیر کا کیریکٹر ہے جو یہ تشکل قائم ہے ورنہ اگر اس کی خودی فولاد اور تائیدِ ایزدی ساتھ نہ ہوتی تو یہ شیرازہ کبھی کا بکھر چکا ہوتا۔

یوں تو وہ کونسا وقت ہے جب کسی قوم کو تنظیم ۔ اتحاد ۔ ضبط و انضباط اور اطاعت کی ضرورت نہیں ۔لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں ۔ جہاں قوموں کی موت اور زندگی کا سوال پیش ہو جاتا ہے اس وقت ان چیزوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے ۔ ذرا غور فرمائیے ۔ صدر اول کے مسلمانوں میں وہ کون تھا جو ہمہ تن اطاعت اور امتثال نہ تھا ۔ اطاعت ان کا دین اور اطاعت ان کا ایمان تھا ۔ لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب اطاعت کی اہمیت خاص طور پر ان کے سامنے نمایاں کرکے رکھی گئی ۔ بدر کا میدان ہے ۔ کفر اپنی پوری قوتوں کے ساتھ ہجوم کرکے مقابلہ پر آگیا ہے ۔ آج جماعت کی موت اور حیات کا دن ہے ۔ وہ دن ہے جب حضور سرور کائنات نے جھولی پھیلا کر دعا مانگی ہے کہ اے مولا! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت فاتح و منصور نہ لوٹی تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا ۔ مجاہدین کے شوق شہادت کا یہ عالم کہ اگر تلوار نہیں ملی تو کھجوروں کی ٹہنیاں اور اونٹوں کی پسلیاں لے کر میدان میں آگئے ہیں ۔ چھوٹے چھوٹے بچے پنجوں کے بل کھڑے ہو ہو کر دکھاتے ہیں کہ ان کا قد چھوٹا نظر نہ آئے اور وہ میدان سے الگ نہ کر دئے جائیں ۔ دونوں صفیں آمنے سامنے ہیں عین اس وقت ارشاد ہوتا ہے کہ

یاایہاالذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار ج
ومن یولھم یومئذٍ دبرہٗ الا متحرفاً لقتالٍ او متحیزاً الیٰ فئۃٍ فقد باء
بغضب من اللہ وماوٰہُ جہنمط وبئس المصیر ہ
$\frac{\text{ع}}{15 \cdot 16}$

اے ایمان والو ۔ جب کفار کے لشکر سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے تو انھیں پیٹھ نہ دکھاؤ ۔ اور جو کوئی ایسے موقع پر پیٹھ دکھلائے گا تو سمجھ لو کہ وہ خدا کے غضب میں آگیا ۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوا ۔ اور وہ کیا ہی بری جگہ رہنے کی ہے مگر ہاں) جو کوئی لڑائی کی مصلحت سے ہٹ جائے ۔ یا اپنے کسی گروہ کے پاس جگہ لینی چاہئے (تو اس کا مضائقہ نہیں)

غور فرمایا آپ نے ! جب دشمنوں کا مقابلہ ہو ۔ میدان کارزار گرم ہو ۔ باطل کی قوتیں صف آرا سامنے موجود ہوں ۔ تو جو کوئی ایسے میں پیٹھ دکھا جائے ۔ اطاعت سے سرتابی اختیار کرلے اور میدان سے بھاگ نکلے تو وہ سیدھا جہنم میں جاتا ہے ۔ اس کے لئے کوئی معافی نہیں ۔ قطعاً رعایت نہیں کہ ایسے وقت میں اطاعت سے انحراف ۔ بد دلی یا کمزوری پوری کی پوری قوم کو ہلاکت کے گڑھوں میں دھکیل دیتی ہے ۔

اس نظیر کو سامنے رکھیئے اور پھر اپنی آج کی حالت پر غور کیجئے ۔ اگر آپ کو چشم بینا عطا ہوئی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ کفر و اسلام کا معرکۂ حق و باطل کی کشمکش ۔ آج بھی بدر و حنین سے کم نہیں ۔ کفر کی پوری قوتیں منظم طریق پر یورش

کرکے امنڈ آئی ہیں کہ ہندوستان میں (خاکم بدہن) مسلمان کو مسلمان کی حیثیت میں باقی نہ رہنے دیا جائے۔ بساط سیاست پر گہری سے گہری چالیں چلی جارہی ہیں کہ مسلمان غیرمسلم اکثریت کا غلام بن کر رہے۔ ہر ممکن حربہ استعمال کیا جارہا ہے۔ کہ مسلمان کے جداگانہ تشخص کا نشان تک باقی نہ رہنے پائے۔ ایسے وقت میں اللہ کا ایک بندہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں کے بہتے ہوئے متفرق تختوں کو لاکر اکٹھا کرتا ہے اور ادہر ادہر سے جوڑ لگا کر پھر سے کشتی کی شکل پیدا کرتا ہے۔ مخالفتوں کا طوفان ہے کہ چاروں طرف سے امڈا چلا آرہا ہے۔ گرداب بلا ہے کہ کشتی کا گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ بڑی بڑی ہولناک موجیں، خوفناک اژدہوں کا سامنہ کھولے لپکی چلی آرہی ہیں۔ آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں۔ تو بر تو تاریکی کا ہجوم ہے۔ چاروں طرف مایوسی ہی مایوسی ہے۔ اس دحشت انگیز اور ہیبت ناک فضا میں اگر کوئی امید کی کرن ہے تو وہ ٹمٹماتا سا دیا۔ جسے ایک مرد قلندر نے دور ساحل کے پاس ایک جھونپڑی میں جلا رکھا ہے۔ نحیف و زار سر پھرا ملاح اپنے منحنی ہاتھوں سے چپو چلائے جارہا ہے۔ نہ طوفان کی بلا انگیزی اسے ڈرا سکتی ہے نہ ہیبت ناک بھیانک موجوں کی ہلاکت خیزی اس میں کوئی گھبراہٹ پیدا کرسکتی ہے۔ اس کا بھروسہ خدا پر۔ نگاہ دور کے ٹمٹماتے چراغ پر اور ہاتھ چپو کے دستے پر ہیں چپو چلائے جارہا ہے اور اپنے ساتھیوں سے اثر و درد میں ڈوبی ہوئی آوازیں کہے جارہا ہے کہ اگر تم نے اس وقت ساتھ دیا تو ہمیں متحد ہوکر ساتھ دئیے تو بیڑا پار ہے۔ اطاعت ہر وقت ضروری ہے لیکن کہئے کہ اطاعت کی جو اہمیت اس وقت ہے کبھی پھر بھی ہوسکتی ہے۔ یہی وہ وقت ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ اگر اس وقت تم نے اطاعت سے منہ موڑلیا۔ اگر اس وقت پیٹھ دکھا کر بھاگ گئے۔ تو سیدھے جہنم میں چلے جاؤ گے۔ کہو! اگر ایسے نازک وقت میں ایک اندر ہی اندر کشتی میں سوراخ کئے جارہا ہو اور دوسرا اٹھ کر بادبان کا رسہ کاٹ ڈالے تو اس کشتی کا کیا انجام ہوگا! اور جب کشتی ہی نہ رہے گی تو اس سوراخ کرنے والے اور بادبان کو بیکار کرنے والے کا کیا حشر ہوگا! اس وقت ہندی مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آرہا ہے معلوم نہیں اس انقلاب میں زمین کیا پلٹا لینے والی ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آگ اور خون کی اس بے محابا بارش کے بعد جب مطلع صاف ہوگا تو انسانوں کے مقدرات کے ستاروں کے مقامات کس طرح بدلے ہوئے ہونگے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کتنی قومیں تباہ ہوں گی اور کتنے تختے نیچے سے اوپر ہو جائیں گے۔ ایسے نازک وقت میں اگر سلامتی کی کوئی راہ ہوسکتی ہے تو وہ اجتماعیت اور اطاعت ہے۔ اس کے سوا کوئی راہ نہیں۔ جو ایک مرکز پر جمع ہوکر ایک کی اطاعت کریں گے بچ جائیں گے۔ جو اس افراتفری میں انفرادی زندگی بسر کریں گے۔ مٹ جائیں گے۔ زمانہ کا ہاتھ کسی کی رعایت نہیں

کرے گا۔ آسمان کا چکر کسی کو مہلت نہیں دے گا۔ اس گرداب بلا میں کشتی وہی پار لگے گی جس کے مسافر ناخدا کا ساتھ دیں گے۔ جو آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے اور ناخدا کی اطاعت سے انحراف کریں گے۔ ان کی کشتی کبھی ساحل تک نہ پہنچے گی اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کشتی ڈوب جائے اور کشتی والے ساحل تک جا پہنچیں۔ یاد رکھو! ناخدا اپنے لئے کچھ بھی نہیں کہتا۔ وہ اپنی اطاعت اپنی ذات کے مفاد کے لئے نہیں کراتا۔ وہ تمہاری ہی کشتی کی حفاظت کی فکر کر رہا ہے وہ خود تمہاری ہی سلامتی کی تدابیر میں ہلکان ہو رہا ہے۔ اس کی مدد خود تمہاری اپنی مدد ہے۔ اس کی اطاعت میں تمہاری زندگی کا راز پوشیدہ ہے کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟

فھل من مدکر!

عیدِ قرباں

جناب اسدؔ کی وہ نظم جو عید کے دن دہلی ریڈیو سے نشر ہوئی اور جسے باخذ اجازت شائع کیا جاتا ہے :—

عید کے دن جو مسرّت کی فراوانی ہے
خود فریبی ہے کہ غفلت ہے کہ نادانی ہے

اب مسلمان ہیں اور بے سر و سامانی ہے!
کونسی شے پہ یہ خوش ہیں مجھے حیرانی ہے

زورِ بازو ہے نہ اب قوّتِ ایمانی ہے
دل میں موجود فقط ذوقِ تن آسانی ہے

اب کہاں پیشِ نظر آیۂ قرآنی ہے
رہبرِ فکر و عمل خواہشِ نفسانی ہے

کیا قیامت ہے کہ ہر کوششِ جمعیت بھی
آج منجملۂ اسبابِ پریشانی ہے

عید کو ہم نے جو تقریب سمجھ رکھا ہے
حیف ابھی اس کی حقیقت نہیں پہچانی ہے

مرکزِ ملّتِ بیضا ہے سوادِ کعبہ
دین کیا ہے؟ اسی مرکز کی نگہبانی ہے

حرمِ پاک کی تقدیس کو قائم رکھنا
ایک مقصد ہے جو شائستۂ قربانی ہے

مال سے جان سے بڑھ کر ہے ایمان عزیز
اے مسلمان! یہی معنیٔ قربانی ہے

زندگی بھر کی اطاعت ہے نہایت مشکل
ایک دم جی سے گذرنے میں تو آسانی ہے

رسم ہوتی ہے ادا آج بھی قربانی کی
کونسے دل میں مگر جذبۂ قربانی ہے

اے اسدؔ میں نے تو دنیا میں یہی دیکھا ہے
حاصلِ زیست بہ اندازۂ قربانی ہے

(اسدؔ ملتانی)

ایک معلم کی زندگی

شائع ہو گئی

اس کتاب کو ماسٹر عبدالغفار صاحب مدہولی استاد مدرسہ ابتدائی جامعہ نے بڑی محنت سے مرتب فرمایا ہے۔ یہ محض انکی آپ بیتی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی ہر لعزیز درسگاہ جامعہ کی دلچسپ اور مکمل تاریخ اور اکیس سال کے تعلیمی تجربوں کا نچوڑ ہے۔ یہ کتاب $\frac{20 \times 30}{16}$ سائز پر دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ہر ایک جلد پانچسو صفحات کی اور مجلّد ہے۔ جامعہ کی نئی اور پرانی دو درجن تصویریں ہیں خوبصورت گردپوش نے ظاہری حسن میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے۔ مکمل سٹ کی قیمت، جس کی مجموعی ضخامت ایک ہزار صفحات ہے۔ کاغذ کی غیر معمولی گرانی کے باوجود محض پانچ روپئے ہے۔ گو ترتیب کے وقت بچوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے لیکن یقین ہے کہ بڑے بھی پسند کریں گے خصوصاً تعلیمی کام اور تجربہ کرنے والوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگی جو جامعہ کے تعلیمی تجربوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

مکتبہ جامعہ قرول باغ دہلی

شاخیں اور ایجنسیاں:۔

۱۔ مکتبہ جامعہ، جامع مسجد دہلی ۲۔ مکتبہ جامعہ امین آباد لکھنؤ ۳۔ مکتبہ جامعہ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۴۔ کتب خانہ عابد شاپ حیدر آباد دکن ۵۔ سرحد بک ایجنسی بازار قصہ خوانی پشاور؛

رسولِ تبلیغ

جناب شمس العلماء حافظ سید محب الحق صاحب مدظلہ العالی

{شمس العلماء حافظ سید محب الحق صاحب مدظلہ العالی کی ذات گرامی طبقۂ اہلِ علم میں بالعموم اور حلقۂ طلوعِ اسلام میں بالخصوص محتاجِ تعارف نہیں۔ اس کبرسنی کے عالم میں جبکہ عام طور پر چٹھی تک لکھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے جناب سید صاحب کی یہ ہمت ان کے قرآن سے عشق کی آئینہ دار ہے۔ طلوعِ اسلام جناب سید صاحب کی مخلص نوازشات کا بصمیم قلب شکر گذار ہے اور اسے اس سعادت پر بجا ناز ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس "پندِ پیرِ دانا" پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں تاکہ یہ ہماری اصلاح کا موجب بن جائے۔ طلوعِ اسلام }

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِن ارید الا الاصلاح ما استطعت

فرقہ بندی تو ملعون خداوندی ہے یہودیوں کا مابہ الامتیاز۔ لَا تکونوا مِنَ المشرکین مِنَ الّذینَ فرقوا دِینھم وکانوا شیعًا کل حزبٍ بما لدیھم فرحُون ۝ مشرکوں میں نہ ہو جانا، ان میں جنھوں نے فرقہ بندی قائم کی اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے اور ہر گروہ اسی فرقہ پرستی پر فرحان و شادان ہے فرقہ بندی تو شرک ٹھہری، اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس نافرمانی سے تائب ہوں اور ادخلوا فی السلم کافۃ مسلمانوں کی جماعت میں پاک باطنی سے داخل ہوں یہ فرقہ بندی ہی تھی جس نے یہودیوں کو تباہ اور ملعون کیا۔ یہ فرقہ بندی ہی ہے جو ہر ملک کی تباہی کا، ہر قوم کی تباہی کا، ہر ملت و شہر کی تباہی کا، ہر خاندان اور انجمنوں کی تباہی کا باعث ہوا کی ہے، اور ہر سلطنت اسی کے ہاتھوں تباہ ہوا کی ہے، اور آج بھی اس کے تماشے دیدنی ہیں۔ متحدہ قوموں کی انجمن آرائی کو دیکھو اور شکست خوردہ قوموں کی گرم بازاری کو دیکھو۔ ان کے یہاں اتحاد کے انجن چل رہے ہیں اور ان کے یہاں تباہی پر تباہی اور مصائب کے زلزلے پر زلزلے آ رہے ہیں۔

جب فرقہ بندی ممنوع خداوندی ہے تو اسے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح قائم کر سکتے تھے آپ نہ سنی تھے نہ شیعہ نہ اہلِ حدیث نہ اہلِ فقہ "امرت ان اکون من المسلمین" ۝ صرف مسلمان حنیف تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ولٰکن کانَ حَنیفًا مسلمًا۔ اس لئے ان کی امت کا نام بھی خدا نے مسلمان ہی رکھا اور نبی آخر الزماں کی امت کا نام بھی مسلمان ہی "ھُوَ سمٰکم المسلمین مِن قبل وفِی ھٰذا"

اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ایک خدا کی محبت میں سرشار، ایک رسول کی اطاعت میں جاں نثار، ایک قرآن کے مرکز پر گھومنے والے سارے کے سارے ایک جان ہزار دو قالب، سب شیر و شکر، سب بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے قوت بازو تھے۔ خدا کی رضا پوری ہوئی۔ ابر رحمت جھوم جھوم کر آیا اور پھوٹ پھوٹ کر برسا۔ دنیا چمنستان خداوندی بن گئی۔

جب فرقہ بندی آئی جس طرح بھی آئی ہو دیکھتے دیکھتے سارا چمن خزاں زدہ ہو گیا۔ سارا پھل زہر اور سارے پھول کانٹے ہو گئے فطال علیھم الامد فقست قلوبھم "امتداد زمانہ سے سارے قلوب سخت ہو گئے"، خدا کی عظمت و محبت دلوں سے نسیاً منسیا ہو گئی، رسول سے نسبت ٹوٹ گئی، قرآن جزدانوں میں روپوش ہو گیا، مسلمان قبروں میں جا سوئے، مسلمان بے راہ، بے ہادی، بے رہنما، قافلہ بے سالار، ایسے بے سالار جس کے سالار رہزن ڈاکہ زن، اپنے گھر کے آپ اجاڑنے والے ہو گئے۔ پھر کیا تھا ادبار کا آتش فشاں پہاڑ پھوٹ پڑا۔ اور تباہی و بربادی کا جھلسا ہوا میدان چھوڑ گیا جو ویرانہ نظروں کے سامنے ہے۔ مسلمان اس کے ماتم کناں اور مرثیہ خواں تو بہت ہیں، مگر ماتم کے سر اور گت اور مرثیہ کی شاعری اور ٹیپ کے بند کی داد دینے میں مشغول اور مصروف ہیں۔ اس کا ہوش اب تک نہ آیا کہ ہم اوٹھے تھے کیوں، اور پڑ گر کر تحت الثریٰ میں پہونچے کیوں کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ سمجھا اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ۔

خیر یہ تو فطرت کی رفتار بھی جو ہو کر رہی کل شیٔ ھالک الا وجھہ ہر شے ہر وقت فنا ہو رہی ہے ایک حی و قیوم کے سوا حادث کے لئے فنا لازم ہے۔ ہر وقت فنا کا جوار بھاٹا ہے تو ساتھ ہی ساتھ بقا کا دور و تسلسل بھی جاری ہے، یوں ہی اس عالم کا ہر لحظہ اتار و چڑھاؤ ہوتا رہتا، اور یوں ہی ارتقاء کے منازل طے ہوتے رہتے ہیں۔ تبدلات عالم تو ہوتے رہتے ہیں، زمانہ ہر آن ہی بدلتا رہتا ہے مگر زمانہ ہم کو نہیں بدلتا۔ ہم بدل کر زمانہ کو اپنے حسب حال بنا لیتے ہیں۔ جب ہماری چال بدلتی ہے تو ہمارا حال بدلتا ہے اگر ہم پھوٹ کے عذاب سے نجات حاصل کرنا چاہیں تو اس عذاب سے نجات بے توبۂ نصوح کے حاصل نہیں ہو سکتی اس میں شک نہیں کہ ہم میں پھوٹ ہے اور پھوٹ اور فرقہ بندی تو بدیہی خدا کا عذاب ہے قل ھو القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم بأس بعض "اے رسول کہدو کہ خدا قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے یا تم کو گروہ در گروہ کر دے اور تم کو آپس کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ یہ فرقہ بندی تو صریح کھلا کھلا خدا کا عذاب ہے۔ طرفہ تر یہ کہ مسلمان اسی عذاب پر خوش اور اسی پر مست ہیں" کل حزب بما لدیھم فرحون "ط

جیسے جہنمی بھی جہنم میں آخرکار اسی عذاب پر راضی اور خوش رہ کر فنا ہو جائیں گے انھوں نے بھی اگر ہوش نہ کیا اور پھوٹ اور فرقہ بندی کے ویسے ہی دلدادہ رہے تو فنا ہونے والی قوم کی طرح یہ بھی اس دنیا سے ایک دن فنا ہو جائیں گے۔

مسلمانوں نے اتنا ہوش تو کیا ہے کہ فرقہ بندی اور پھوٹ سے سب نالاں ہیں کوئی جماعت نہیں جہاں اس کی فریاد نہ ہو۔ مگر اس جہنمی گڑھے سے نکلنے کے لئے کسی نے بھی خدائی راہ اور رسالت کی روش اختیار نہ کی۔ سب نفسانی خواہشوں کے بندے اور ہوا و ہوس کے متوالے ہیں۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ہدایت ربانی چھوڑ کر جس نے خواہش نفسانی پر اپنی رفتار قائم کی اس سے گمراہ تر کون؟

اسی کو مجھے بیان کرنا ہے۔ اصلاح نفس اور اصلاح حال کے لئے میں تمہارا مواجہہ خدا و رسول کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری گردش و روش صحیح از سرے کہ کامیابی کی راہ یہی ہے۔

خدا نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ " اے رسول قرآن مجید کی تبلیغ کرتے رہو ما انزل اللہ قرآن کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسی کی تبلیغ فرض ہوئی اور اسی کی تبلیغ آپ نے فرمائی اور اسی کی تعمیل میں صحابہؓ لگے رہے اور خدا اور اس کے کلام ہی کو کافی سمجھا "الیس اللہ بکاف عبدہ" کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں اسی کو یوں بھی فرمایا "امرت ان اکون من المسلمین و ان اتلوا القرآن" میں مامور ہوں کہ میں فرمانبرداروں میں ہوؤں اور قرآن پڑھ پڑھ کر تبلیغ کرتا رہوں۔ یہ تو خدمت رسالت ادا کی گئی۔ پھر آپ بشیر و نذیر تھے فرمان پر چلنے والوں کو بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے والے" تو اس کی نسبت ارشاد ہوا فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما لدا " ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں آسان بنایا ہے (کہ ہر کوئی سمجھے) تاکہ تم قرآن سے متقیوں کو بشارت دو اور قرآن ہی سے نافرمانوں کو ڈراؤ۔ آپ نے عمرہ اس کی تعمیل فرماتے رہے، اور اسی سے ہدایت پانے والے ہدایت پاتے رہے، اور یوں مسلمانوں نے فوز و فلاح سے دونوں جہان میں کامیابی حاصل کی۔ اس دنیا کی کامیابی تو سب نے دیکھی اور اس دنیا کی کامیابی بھی اس دنیا میں سب دیکھیں گے۔

سمجھنے اور غور کرنے کی جگہ یہ ہے جدھر میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کی تبلیغ سے دنیا کی کیوں اور کس طرح کایا پلٹ ہو گئی اور آجکل کی درس و تدریس مواعظ و پند لیکچر کمیٹیاں کیوں بے نور، بے کار تضیع اوقات شیطانی بکواس اور لایعنی و بے نتیجہ حرکات ہیں اس کی وجہ کیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے قرآن سے روگردانی کی، اور اس کو نذر و نیاز کی شیرینی بنالیا، اور روایتوں کی طرف دل کھول کے ٹوٹ پڑے تو بادشاہوں نے اسے اپنا مشین گن بنالیا، اور اسی کے سہارے کامیابی کی راہ نکالی، اور ان کے تو بچیوں کو ہر طرح کی نوازشوں سے نوازا، تو بڑے بڑے علماء پیدا ہوگئے، جنھوں نے فرقہ بندیوں کا باغ لگایا۔ اور فرقہ بندیوں کے یہ مالی پھوٹ کے درختوں کو ہوس، خود غرضیوں اور نفسانی خواہشات کے جذبات کے نجس پانیوں سے سینچتے رہے۔ کچھ دن خدا نے مہلت دی، آخر عذاب نے آگھیرا کہ اب اسلامی دنیا میں ہر طرف تلاطم ہے۔ مسلمان کس حال کو پہنچے اس کا رونا بہتیرے رو چکے۔ اس رونے دھونے کا نتیجہ بھی کچھ نہ نکلا۔ اگلوں کے کارنامے کہانی بن گئے، وعظوں اور پس میں شیریں کلامی اور خوش بیانی کے لئے مواد اور ذخیرے مل گئے۔ لوگوں نے واقعات گذشتہ سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کی الٹے پست ہمتی کے جال میں پھنس کر مایوسیوں کے شکار ہوگئے۔ پست ہمتی آئی تو بے حیائی بھی آئی بے غیرتی بھی آئی، آرام طلبی بھی آئی، اور خود غرضی بھی آئی کہ اپنے کو جماعت سے مطلب نہیں۔ جماعت سے ٹوٹے تو انفرادی زندگی تو قبر کی زندگی ہے یا جنگل کی زندگی کہ حشرات الارض کی دہشت انگیزی کے سوا کچھ نہیں۔ حال دیکھو تو بد حال، دل بے چین، زبان بے باک، کمزور کون تو مسلمان، بے ایمان کون تو مسلمان، پھوٹ کا پھریرا اڑانے والا کون تو مسلمان سارے عیوب کس میں تو مسلمان میں۔ گھر اجڑا ہوا کس کا تو مسلمانوں کا، منافق کون تو مسلمان، کس بے حیائی اور بے شرمی سے گھر میں اسٹیج پر، ممبروں پر، اخباروں میں، رسالوں میں یہ رونا فخریہ رویا جاتا ہے۔

مذہب گیا تو مذہب کے ساتھ سیاست بھی رخصت ہوئی کیونکہ مسلمانوں کی وہی سیاست وہی مذہب یعنی قرآن جب قرآن نہیں تو نہ مذہب نہ سیاست۔ مسلمان کیا تھے اس پر بہت کچھ کہا جا چکا۔ اور پھر کیا سے کیا ہوگئے اس کا رونا بھی بہت کچھ رویا جا چکا گذشتہ پر جبر کیا، مستقبل خطرناک ہے اس لئے حال کو دیکھنا ہے کہ موجودہ حال کیا ہے اسی کا مجھے ہوش دلانا ہے کہ صراط مستقیم سے لغزشیں دور ہوں اور کامیابی کی منزل تک رسائی ہوسکے۔

واقعات سے ڈنڈے مار مار کر مسلمانوں کو بیدار تو کیا، یہ بیدار بھی ہوئے مگر کابوسی بیداری بے خبری میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، گویا بہت کچھ کر رہے ہیں مگر نتیجہ سے بے خبر اور خدا سے بے لگاؤ خواب میں چل رہے ہیں مگر وہیں کے وہیں۔

علماء اور ان کی جمعیت یعنی جمعیت العلماء مدعی اس کی کہ قوم کی کشتی کے ناخدا ہم۔ اسلام کے چاند تارے ہم ہم مقدس گروہ علماء کے۔ ہمارے سوا لیڈری کا استحقاق کسے۔ جن کے اساتذہ کا خیال یہ ہو کہ صداقت تمام مذاہب میں ایک جیسی ملی۔ تو اول صداقت توحید کی تو توحید اور رب پرستی گئو پرستی وطن پرستی، سب ایک ہے۔ ان کو

لوگوں نے خدا کی آیتوں سے ڈرایا مگر "انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب" یہاں خشیت کہاں؟ نہ درس و تدریس میں نہ اعمال میں کیونکہ خدا نے قرآن کو نور مبین کہا تھا مگر ان کو یہ روشنی دھندلی دکھائی دی۔ یہ چلے گاندھی جی کی روشنی سے اپنی دیا جلانے۔ جو ٹمٹما رہی ہے۔ خدا رحم کرے۔ اور ان کو اپنے رحم سے بخشدے۔

دوسرے ہمارے علمی دوست مولانا مودودی صاحبؒ ہیں باہمہ قابلیت آپ اپنی مسجد الگ بنانے میں مصروف ہیں اور اپنی سیاست الگ بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں یہ روش بھی رسولی تبلیغ نہیں جس کو میں آخر میں بیان کروں گا جو اس تحریر کا موضوع ہی ہے۔

تیسرے اصلاحی صاحب ہیں۔ آپ تو ہمارے دوست مولانا حمید الدین علیہ الرحمۃ کے جانشین ہیں۔ مولانا حمید الدین صاحب سے اور مجھ سے حیدرآباد میں صحبتیں رہیں۔ منہاج الحق مجھ سے چھین کر زبردستی انھوں نے مطبع میں بھیجا اور شیدا ہوئے قرآن کی نسبت نے ہم دونوں کو شیر و شکر کیا تھا۔ وہ اپنے قرآن کے جلسہ میں ہم کو لے گئے۔ اور ہر ملاقات میں یہی قرآن رہتا۔ اسی تفسیر لکھنے کی وجہ سے انھوں نے ایسی عزت اور اتنے مشاہرہ کی جگہ چھوڑی۔ قرآن کی خدمت کرتے رہے۔ قرآن کے متعدد جلسے قائم کئے۔ آج فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر مقتدر میں مہمان ہوں گے۔ ان کے جانشین کو بھی قرآن ہی کی خدمت میں لگنا تھا اور اسی رسولی تبلیغ کا غلغلہ بلند کرنا تھا۔ مگر افسوس ہے میں نے چند ہی تحریریں اصلاحی صاحب کی دیکھی ہیں وہ علماء کا اٹھتا ہوا بازار پھر جمانا چاہتے ہیں۔ اور قرآن کو وید بنا کر برہمنوں کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں۔ باوجودیکہ اسی بدعت کا نتیجہ بھگتتے ہوئے قوم کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کا ماتم بھی کر رہے ہیں اور پھر اسی میں مبتلا ہیں۔ مولوی حمید الدین علیہ الرحمۃ کا حق ادا کر رہا ہوں کہ مولانا کو توجہ دلا رہا ہوں کہ اتباع ہوا و ہوس سے محترز ہو کر رسولی تبلیغ میں لگ جائیں کہ یہی خدا کی مرضی۔ یہی رسول کی مرضی۔ یہی خدا کا گروہ ہے اور ان جندنا لھم الغٰلبون ؁

چوتھے سیرت بنٹی کو بھی مجھے خاص کر متوجہ کرنا ہے کیونکہ یہ علمی ادارہ ہے۔ علمی کارنامے اس کے ہیں مگر افسوس رسولی تبلیغ کے سایہ میں نہیں۔ کاش ان کی رسولی تبلیغ ہوتی بلا شائبہ نفس و ہوا، تو رنگ لاتی مگر جو کچھ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے اس کا رنگ تو یہ ہے۔

۱۔ اتنی تحریریں اور اس قدر پمفلٹ اور اس قدر کتابیں، ہزاروں ہزار مختلف زبانوں میں مختلف ملکوں میں شائع کی گئیں جس کا اعلان ہر پرچہ اور ہر رسالہ میں ہوا کرتا ہے۔ اس درجہ شدید اعلان ہی اس کا مظاہرہ ہے کہ آؤ ہمارے جھنڈے تلے آؤ۔ اگر اس میں اخلاص ہوتا تو "ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ" ہوتا رسولی تبلیغ ہوتی تو

آج کچھ نہ کچھ تو کامیابی ہوتی۔ اور اسلام پھیل کر رہتا۔ مگر تمام وہی روز اول۔

۲۔ دوسری سیرت کمیٹیاں ہیں جس کے معنی ہیں رسالت کی تبلیغ۔ مگر چونکہ رسولی تبلیغ نہیں اس لئے نتیجہ کیا نکلا کہ تمام مولود خوانی ہوتی ہے۔ غلط سلط روایتیں پڑھی جاتی ہیں ایسی ایسی روایتیں جو اسلام پر داغ اور رسول پر حرف لانے والی ہیں بلا جھجک برسر ممبر بیان کی جاتی ہیں پھر تزک و احتشام سے اک نیا تیوہار قائم کرتا ہے اس میں اسراف کے تماشے بھی۔ جلسہ و جلوس کی رنگینیاں بھی۔ اس لئے جس کام میں اخلاص نہیں وہ ناکام اور بے نور۔

۳۔ تیسری چیز درس قرآن جاری کیا گیا۔ خیال نہایت مقدس کام نہایت مبارک۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ نفسانیت کے چھینٹوں سے وہ بھی پاک نہیں۔ میں نے پہلا درس یعنی مروالا پورا دیکھا ہے ہر جگہ اس کی کمال کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے کو یہود سے بدتر ملعون سمجھو کہ کبھی اٹھنے والے نہیں۔ یہ ہمت کی کھا جانے والی ہوش کو بے ہوش کرنے والی روش ہے ہر جگہ اغیار کے مقابلہ میں مسلمانوں پر تیر چلانا رسولی تبلیغ کی شان نہیں اس پر مستزاد یہ کہ اور سیاسی ادارے فساد انگیز اور کام تو میری یا میرے فرقہ کی روش ہی کامیاب بنانے والی ہے۔ درس میں بھی اور اخبار میں بھی مسلم لیگ پر اعتراض کی بوچھاڑ اور حملہ کے وار بھی اور پھر خود مسلم لیگی بھی۔ یہ اگر اخلاص سے ہوتا تو مخلصانہ خط میں یا خاموش تحریر میں ان کو ہوشیار کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے اصول پر رہتے یا ان کے اصول کو تسلیم کرتے۔ مگر لگاتار یہ حملہ ہرگز مبنی بر اخلاص نہیں ہو سکتا پھر جہاں اخلاص نہیں وہاں اسلامی اصول سے بحث نہیں۔ اسی لئے سیرت اور درس سے نہ ایک مسلمان مسلمان ہوا نہ ایک کافر کفر سے تائب ہوا۔

۴۔ چوتھی چیز امراؤتی میں ادارۂ تبلیغ قائم کیا ہے اس میں تبلیغ کے لئے زکوٰۃ و صدقات کا فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ نہایت مبارک کام نہایت مبارک خیال۔ اس میں شک نہیں مگر پوچھنا یہ ہے کہ آیا امارت شرعیہ بہار جیسے مبلغ جائیں گے کہ چندے لائیں زکوٰۃ صدقات لائیں اور امرا اور مریدوں کے یہاں دعوتیں کھا کھا کے آئیں، یا کہیں سے مبلغ تالیف کئے جائیں گے پھر کس فرقہ کی تبلیغ ہوگی۔ اگر حنفی بنے تب کافر، اہل حدیث بنے تب کافر، سنی بنے تب کافر، شیعہ بنے تب کافر اور سینکڑوں فرقوں کی گواہی ہر فرقہ کے کافر ہونے پہ ذخیروں موجود پھر سیاسیات کی رو سے جناح کو مانا تب کافر کیونکہ جناح دینی عالم نہیں مسلم لیگی بنے تب کافر، علامہ مشرقی کی تعریف کی یا نام لیا تب کافر، خاکسار بنے تب کافر۔ ۱۳۰۰ برس کی عمر ہوئی کفر کی یہ سستی چیز میں نے علماء کے بازار میں بکتے نہیں دیکھی۔ دو روپے کا کفر، پانچ روپے کا کفر، اور مفت کا کفر بھی بلا قیمت۔

بھائیو! میں آپ لوگوں کو الگ الگ متوجہ کروں تو اس کے لئے نہ میرے پاس دفتر اور نہ اس پیری میں

اس کی صلاحیت - اس سے ہم نے اس تحریر میں آپ کو اس طرف توجہ دلائی ہے۔ "بل الانسان علٰی نفسہٖ بصیرۃ ولو القٰی معاذیرہٗ" انسان اپنے حال کو خوب دانا و بینا ہے گو کہ بہانے کھڑے کرے۔ آپ اپنا محاسبہ فرمائیں۔ "ولتنظر نفس ما قدمت لغد" محاسبہ تو فرض ہے۔ اگر آپ کو میرے اس لکھنے سے کچھ گزند پہونچے تو سمجھ لیجئے گا کہ ایک جاہل نے لکھا ہے کیونکہ مجھے اپنی جہالت کا قطعی علم ہے اور علم صحیح ہے اور اگر خدا کے حضور میں محاسبہ لینے سے میرے لکھنے کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے اخلاص و محبت پر مبنی سمجھیں تو خدا کا شکر کریں کہ خدا نے کسی کو آپ کے ہوشیار کرنے کو بھیجا وہ جاہل ہی سہی۔ اور اس ہوشیاری کے بعد ایک اتحاد میں منسلک ہو کر اسلامی یا رسولی تبلیغ میں لگ جائیں۔

رسولی تبلیغ

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ کیا تھی۔ کس خدائی اصول پر تھی جس کا تخم ریت اور پہاڑ پر بویا گیا اور ایسا پھول پھل لایا جس کا پھول بھی بے مثل اور جس کا پھل بھی بے مثال۔ ریتیلے داغ خراد پر چڑھے تو چمک دمک میں ہیرے کو مات کیا۔ اور پہاڑ و پتھر جیسے قلوب پانی ہو ہو کر معرفت کے چشمے بن گئے۔ دنیا کے دل و دماغ کی کایا پلٹ ہو گئی کہ دنیا ہی بدل گئی۔ دنیا کے خطرناک جنگل چمنستان بن گئے۔ دل خدا لئے وحدہٗ کی طرف ہو گئے۔ دماغ کی رفتار لاشریک لہٗ کی جانب ہو گئی۔ آنکھیں خدا اور اس کی خدائی کو دیکھنے لگیں کان اسی کی طرف لگ گئے۔ ہوش و حواس کی نسبت خدا کی طرف جٹ گئی۔ مقصود ایک ہو گیا مرکز عمل ایک ہو گیا "قل ان صلوٰتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العٰلمین ؁" کہہ دو اے رسول! کہ میری نماز اور میری عبادتیں بلکہ حیات و موت تک اللہ رب العٰلمین کے لئے ہو گئی۔ زندگی پر امن ہو گئی۔ فساد و عناد، دشمنی اور انتشار حال کافور ہو گئے۔ دنیا ٹھنڈی چھاؤں میں بسر ہونے لگی لقاء رب کی منزل قریب تر ہو گئی۔ جب چال یوں بدلی تو حال بھی دیکھتے دیکھتے یوں بدلا کہ ایک پاؤں عرب میں تو ایک پاؤں چین میں۔ ایک اس دنیا میں ایک اس دنیا میں۔ یہ کیونکر ہوا؟ کس طرح ہوا؟ اس کو سوچو اور سمجھو۔ اس کا سراغ تم کو قرآن میں ملے گا اور صرف قرآن میں اگر اسی چال پر چلو گے تو تمہاری منزل اور تمہارا مقام بھی وہی ہو گا۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام رسول تھے اور آخری رسول۔ خدا کا پیغام اور آخری پیغام خدا کے بندوں کو پہونچانے آئے تھے اور بہ احسن وجوہ پہونچا گئے جو آج تک ویسا ہی موجود ہے جیسا آپ نے دیا تھا خدا کا فرمان ہوا "یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہٗ" اے رسول! خدا کی

طرف سے جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرتے رہو اگر ایسا نہ کیا تو خدا کی رسالت کی تبلیغ تم نے نہیں کی۔ نازل ہوا صرف قرآن، اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ تو آپ نے ساری عمر قرآن ہی تبلیغ فرمایا، اس کے سوا کچھ نہیں پھر کس طرح تبلیغ کرد۔ اس کو بھی فرما دیا گیا امرت ان اکون من المسلمین و ان اتلوا القرآن" میں مامور ہوں کہ میں فرمانبرداروں میں ہوں اور قرآن پڑھ پڑھ کر سنایا کروں۔ آپ نے اس فرمان کی کما حقہ تعمیل فرمائی اور قرآن سنا سنا کر لوگوں کو قرآن و رسالت کی تبلیغ فرماتے رہے قرآن عربی میں۔ قوم کی عربی زبان میں نازل ہوا ہے بلسان عربی مبین۔ قوم عرب تھی عربی اس کی زبان ہی تھی اور ترقی یافتہ زبان۔ لوگ سنتے تھے سمجھتے تھے مسلمان ہوتے اور فائز المرام ہوتے تھے۔

آج خدا وہی، اس کا کلام وہی، آج ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ وہی رسالت اور وہی صاد رسل موجود۔ آج اس کا نور کیوں دھندلکے میں پڑ گیا؟ اس کی وجہ صاف اور کھلی کھلی یہ ہے کہ قرآن سے قوم نے منہ پھیر لیا، آنکھیں پھیر لیں۔ قرآن پنڈتوں کے حوالہ ہوا اور اس کی آیتیں منتر بنیں اس کے اوراق فرقوں میں بانٹ دئے گئے اور وہ مباحثہ کے "تاش کے برج کا کھیل بنے۔ ہار جیت کی بازی لگی، اس ادھیڑ بن میں قوم کی نسبت خدا سے بالکل ٹوٹ گئی اور ماسوا سے جٹی۔ علماء کی نسبت راویوں اور روایتوں سے جٹی۔ سارے راوی پیغمبر کے برابر اور سب کی روائیتیں کالوحی و رقرآن کا نعم البدل سمجھی گئیں یہ تو احبار کا حال ہوا اور رہبان و مشائخین کی نسبت پیر فقیر سے جٹی اور ان کے مکتوبات و ملفوظات سے۔ یہ طالبین خدا کی جماعت جن کا اصل اصول قطع ماسوا قرار پایا تھا وہ قطع نسبت الٰہی اور حسب ماسوا میں پڑ کر طالب جاہ و خانوادہ ہو گئے۔ اور خدا کے نہیں لکیر کے فقیر بن گئے اور مریدوں کے "قدس سرہٗ" کے تمغے کو الٰہی تمغہ سمجھا۔ سب نے خدا و رسول اور ما ارسل کی نسبت توڑ دی اس لئے توحید کی جگہ شرک نے لے لی۔ کہئے تو عذر سننے کی اجازت نہیں دیتا۔ سمجھائیے تو پھولا ہوا نفس برداشت نہیں کر سکتا۔

غرض قوم کا کلمہ طیبہ پرا یان طوطوں کا رٹا رٹایا ہوا کلمہ ہو گیا۔ خدا کی دی ہوئی شریعت کہ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک " خدا نے تمہارے لئے دین وہی شریعت بنا دی ہے جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور تمہاری طرف وحی کیا گیا۔ ہاں تو وہ خدا کی دی ہوئی شریعت اٹھا دی گئی اور اس کی جگہ انسانی شریعت لے لی۔ اب حکم قرآن سے نہیں دیا جاتا۔ انسانی شریعت، انسانی فتاووں سے دیا جاتا ہے۔ باوجودیکہ حکم تھا فاحکم بینہم بما انزل اللہ قرآن سے حکم دیا کرو ان الحکم الا للہ حرف غلط کی طرح

مٹا دیا گیا، اور اس کی جگہ سلاطین نے، اماموں نے، اور علماء نے لے لی۔

جب قرآن کلام اللہ نہ رہا جب مسلمانوں نے اس سے ناک بھوں چڑھایا۔ جب اس کو ناقص سمجھ کر درس و تدریس سے نکالا۔ جب اس کی تبلیغ یعنی رسولی تبلیغ بند کی گئی تو قرآنی نور جو سینکڑوں پردوں میں چھپایا گیا ہو کیونکر چمکے۔

یہ تو ظاہری تبلیغ کا حال ہے اور حقیقی تبلیغ کا تو وجود ہی نہیں۔ کیونکہ ایمان ہے تو منہ بولا، یقین ہے تو افواہی۔ ان باپ سے سنا سنایا۔ ایمان ہوتا تو محبت لازمی تھی "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط" مومنوں کو تو اللہ کی محبت نہایت ہی شدید ہوتی ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا ط مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ہل جاتے ہیں اور جب خدا کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے لیکن ان کا حال یہ ہے اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ جب خدا کا ذکر کیا جائے ان کے دل پریشان ہو جاتے ہیں اور جب ماسوا کا ذکر چھیڑ دیجئے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں، محبت کا تو نام نہیں اور یہی خدائی محبت سارے خزائن کی کنجی۔ مولانا روم نے سچ کہا ہے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علتہائے ما

یہی محبت تو سب کچھ ہے جو فی زمانہ ٹکے مول بک گئی۔ اور اس کی جگہ ماسوا دیوتاؤں نے لے لی۔ خدا اور رسول نے ہوشیار کر دیا تھا قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط اے رسول منادی کر دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیبیاں، اقران، مال جو تم نے جمع کر رکھا ہے تجارت جس کے کساد بازاری سے ڈرتے رہتے (یعنی دنیا کی سب چیزیں) اگر تم کو اللہ سے اس کے رسول سے اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو کہ خدا اپنا عذاب بھیجے جب یہ پاک محبت ہی سرے سے غائب ہو گئی تو عذاب خداوندی کے منتظر رہو۔ مسلمانوں نے انتظار کیا اور عذاب آ کر رہا کہ خدائی مرکز چھوٹ گیا اور فرقہ بندی اور پھوٹ کے جہنمی گڑھے میں گر پڑے اور پڑے چلا رہے ہیں مگر سنتا کون ہے۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرآن پڑھ پڑھ کر سنایا وہ اسی لئے کہ بندوں کے دل خدا کی محبت سے گرما جائیں جو ماسوا کی محبت سے پاک ہو اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ط کیا لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے اور وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا۔ جہاد کا میدان دار الامتحان مقرر ہوا۔ قوم نے سر کٹا کر ایمان کا امتحان پاس کیا۔ بغیر سان پر چڑھائے تلوار تلوار نہیں ہوتی۔ بغیر امتحان

دئے ڈگری نہیں ملتی۔ صرف زبانی جمع خرچ تو کبر مقتاً عند اللہ ہے۔ خدا کو نہایت ناپسندیدہ۔ صرف آرزو کرنے سے جنت کے دروازے نہیں کھلنے کے ام للانسان ما تمنی کیا جو آرزو کرے وہ ان کو مل جاتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ بغیر جان و مال کی قربانی دئے جنت کے دروازے نہیں کھلنے کے۔

دنیا میں جو اللہ اللہ کا غلغلہ بلند ہوا وہ قرآن ہی کی تبلیغ سے۔ قوم میں جو خدا خدا کی ہوا بھری وہ قرآن ہی کی تبلیغ سے۔ کیونکہ قرآن کریم میں جس مضمون کا بھی بیان ہو۔ احکام و ہدایات ہوں، تاریخ و قصص ہوں، تخلیق عالم یا تخلیق انسان کا بیان ہو، تبشیر ہو، تنذیر ہو، غرض جو کچھ بھی ہو، سب کے اول میں، یا وسط میں یا آخر میں خدا نے اپنی عظمت و جلالت اپنے صفات بے کیف کا اظہار کیا ہے۔ تاکہ جو دل و دماغ ادھر توجہ کرے وہ اس کی عظمت و جلالت سے بھر جائے۔ سارے عالم پر اور خود انسان پر اپنے احسانات کا جو سمندر بہا دیا ہے کہ اس کی ہستی، اس کی ہستی کی حفاظت، اس کی ساری ضرورت کی چیزیں خدا کی بنائی ہوئی، خدا کی عطا کی ہوئی، اسی کی حفاظت سے محفوظ ہیں۔ ہر ہر قدم پر اتنے احسانات اسی لئے بیان کئے گئے ہیں کہ انسان کا دل و دماغ اس کے شکر، اوس کی احسان مندی، اس کی محبت سے لبریز ہو جائے۔ یہ سب کچھ اسی کے بھلے کو تھا تاکہ اس کا نصب العین اور مرکز عمل خدا ہو جائے رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحاً ترضیہ و اصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک و انی من المسلمین۔ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عنایت کی ہیں اور ایسے عمل کی بھی توفیق دے کہ جس سے تو راضی رہے اور میری اولاد کو میرے لئے ٹھیک کر دے میں تیری طرف رجوع ہوا، اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اے بھائیو! تمہارا کیا حال ہو گیا؟ ایک ذرا سا کوئی احسان کرتا ہے جو خدا ہی کے حکم سے کرتا ہے۔ اس محسن کو تم حقیقی محسن سمجھ کر اس کے لئے تم جان دینے اور قربان ہونے کو کھڑے ہو جاتے ہو، اور خدا جو حقیقی محسن ہے جس کے اتنے بڑے بڑے احسانات ہیں کہ تم گن نہیں سکتے آنکھ ناک، کان، صورت شکل، عقل سمجھ بلکہ تمہاری ہستی ہی سب اسی کی دی ہوئی اور رات اور دن سوتے جاگتے اونکی محافظ بھی، ان کی تمہارے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں اور ایسے محسن کی ذری محبت نہیں، کیونکہ تمہارے دل و دماغ میں خدا کی جگہ نہیں رہی۔ دل ہزاروں بتوں کا مندر، دماغ ہزاروں دیوتاؤں کا معبد بن گیا ہے۔ اس پر کہتے ہو اپنے کو مسلمان، اور سارا قرآن ماسوا کی بت شکنی سے بھرا ہوا۔ ہر آیت اور ہر آیت کا آخر ٹکڑہ خدا کی طرف بلا رہا ہے مگر تم اس سے منہ پھیرے ہوئے۔ قرآن کا ہر حکم اور ہر ہدایت تمہارے بھلے کے لئے ہے کہ تم اعمال کی دنیا میں ہو، سارے اعمال کرو،

سگر ہدایت کے مطابق حدود کے اندر کونوا ربّانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ۔ اللہ والے ہو ۔ کتاب اللہ کے مطابق ۔
اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ خدا مرکز عمل ہو اور تمہارے اعمال دائرے کی طرح اسی مرکز پر گھوا کریں اور تمہارا حال ہو جائے ان صلوٰتی وَ نسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین ۔ ہماری حیات وموت تک سب اللہ رب العٰلمین کے لئے ہے ۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبلیغ قرآن کی فرمائی تو اس کا نتیجہ کیا ہوا کہ قوم کے دل میں عظمت وجلالت کبریائی گھر کر گئی ، دل محبت کی گرمی سے اور جوش وولولے سے لبریز ہو گیا ۔ ایمان کامل ہوا ، اسلام شرک کی چھینٹ سے پاک ہوا سب مسلمان حنیف ہو گئے دین خالص ہو گیا ، اس سے ان میں اخلاص آیا ، نفسانیت گئی ، اخوت آئی عداوت گئی آپس کی ہمدردی آئی پھوٹ غائب ہو گئی ، اتحاد آیا ، انتشار گرد وغبار بن کر منتشر ہو گیا ، جب عمل صالح نے قدم جمایا تو ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودّا ۔ بلاشبہ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کئے تو ان کو خدائے رحمٰن نے مودت عنایت کی ۔ مودت پرورش پا کر محبت ہوئی ۔ جب خدا کی محبت ملی تو سب کچھ مل گیا ۔ محبت گرمائی تو محبوب کے نام پر سر کٹانے کا ولولہ پیدا ہوا ۔ جب جہاد کا وقت آیا تو رگ جان کے خون سے دستاویز محبت پر مہر کی ۔ شہادت کا خلعت ملا " فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر " قرب میں جگہ پائی وُجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ الیٰ ربّھا ناظرۃ " وہ خدا کے ہوئے خدا بھی ان کا ہو گیا ، خدا کی محبت غالب آئی ، اسوا کی محبت مغلوب ہوئی ، دل سے ماسوا کو نکالا تو ماسوا نے قدموں تلے سر رکھا جب وہ خدا کے ہو گئے تو خدائی ان کی ہو گئی ۔ جب محبت کا چاند طلوع ہوا تو صفات کے تارے چمک اٹھے دنیا خدائی نور سے جگمگا اٹھی ۔ دنیا والوں نے ان کے آگے سر جھکایا سلطنتیں محکوم اور غلام بن کر قدم چومنے آئیں ، خلافت کا تاج سر پر رکھا گیا یہ تھی رسولی تبلیغ یہ تھی قرآنی تبلیغ ۔ یعنی یہ تھی خدائی تبلیغ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ سلطنت وخلافت کے طالب نہ ہوئے نہ اس کے پیچھے دیوانہ ہوئے نہ اس کے لئے اسکیمیں دیں نہ اس کے پیچھے پڑے ۔ خدائی نسبت کو بے جگر نہ ہونے دیا ۔ طلب کی راہ کھوٹی نہ کی ۔ مگر یہ دکھا دیا کہ اسلام محکومی کا مذہب نہیں مسلمان صرف خدا کا محکوم کسی دوسرے کا محکوم نہیں ۔ خلافت تو ایسی کی ۔ مگر یہ طالب خلافت نہیں ہوتا ۔ اسلام ہی کے صفات سلطانی اور حکمرانی کے صفات ہیں ۔ خالص مسلمان ہو جاؤ اسلامی صفات میں رنگ جاؤ تو خلافت تو دست بستہ کھڑی ہے کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ اور جہاد کی تیاری کا نصب العین تو اطاعت قرآن ہی میں داخل ہے مگر عمل صالح بے خدا کی خالص محبت کے محال اگر نہیں تو دشوار تر ضرور ہے ۔ بغیر حقیقی اسلام کے بغیر خالص ایمان کے بغیر خدا کی مقدس اور منزہ محبت کے ۔ بغیر یحبھم ویحبونہٗ کے جلوہ آرا ہوئے بغیر اسلام وایمان کا ثبوت دئے اور بغیر مالی وجانی قربانی کے اتقا کی بے پناہ خدائی قوت

نہیں آسکتی اور جہاد کا میدان کارزار جیتا نہیں جاسکتا۔ اور جب تک یہ نہو غلامی کا طوق و سلاسل نہیں دور ہوسکتا اور محکومی کی پھانس نہیں کاٹی جاسکتی۔ اے بھائیو! ہوا و ہوس، چکنی چپڑی باتوں، دلائل و براہان، اور آرزو و تمنا سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی کیا انسان جو آرزو تمنا کرے اسے مل جائے گا۔ حاشا نہیں۔ عمل درکار ہے عمل۔ خون درکار ہے رگِ جاں کا خون، جوش درکار ہے جو خدائی ہو اور عرش سے اترا ہو ولولہ درکار ہے جو عرش تک رسا ہو۔ جب حقیقی مسلمان، خدا کے خالص مومن ہوکر قرآن کا حبل اللہ مضبوط دہرے رہو گے۔ جب فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ۔ کا مظہر بنو گے، تو تم ربانیین یعنی اولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ کے گروہ میں داخل ہوجاؤ گے وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کا خدائی جھنڈا تم کو عنایت کیا جائے گا وعدالله لا يخلف الله الميعاد۔

اے بھائیو! پھر سے قرآن پڑھو۔ تم نے قرآن نہیں پڑھا" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ " تم نام کے مسلمان ہو کام کے نہیں۔ تمہارا ایمان منہ بولا افواہی ایمان ہے، شرک فے الصفات، شرک فے الشریعت، شرک فے الحکم، شرک فی العبادت سے بھرا ہوا، کوڑی کام کا نہیں، نہ نجات دنیا کے کام کا، نہ نجات آخرت کے کام کا۔

اٹھو اٹھو۔ اللہ اللہ کا نعرہ بلند کرو، اللہ کے نور سے منور ہوجاؤ، قرآن اللہ کا نور اللہ کا کلام ہے، اس کو سینہ میں رکھو، دل کی آنکھ سے پڑھو، اس میں عقل و تدبر سے غور و فکر کرو، سوچو، سمجھو اور میدان عمل میں نیز گام ہوجاؤ معمل ہوکر اس کی تبلیغ قول و فعل سے شہروں میں، دیہاتوں میں انفراداً بھی اور عام جلسوں میں بھی شہر بہ شہر دنیا کے ہر گوشہ میں جس طرح خود رسولؐ نے کیا تھا ان کی اتباع میں تم بھی کردو تاکہ اللہ کا نور سارے عالم میں پھیل جائے کہ "اشرقت الارض بنور ربھا" اور کفر و نفاق کی ظلمت کافور ہو کہ زھق الباطل۔ تاکہ خدا کے جمال و جلال کی سیاست کعبۂ دل کے بتوں کو توڑتی ہوئی تخت کبریائی پر جلوہ فرما نظر آئے۔

قرآنی تبلیغ کے لئے قرآن میں خدا نے آیات دیدی ہیں۔ نشانیاں بتادی ہیں کہ ان نشانیوں سے اس تک پہونچو۔ جس کی نشانیاں آسمان میں ہیں، زمین میں ہیں، سورج اور چاند سیارے اور ثوابت میں ہیں۔ پہاڑ اور جنگل آبادی اور ویرانوں میں ہیں، بارش اور اس کی ودیعتوں میں ہیں، مٹی میں ہوا میں، آگ میں، پانی میں۔ بڑے سے بڑے پہاڑوں بڑے بڑے تناور درختوں اور چھوٹے سے چھوٹے ذروں میں ہیں۔ ہر چیز کے فنا و بقا اور موت و حیات میں بلکہ خود تم میں تمہارے جسم تمہاری رُوح میں تمہارے حرکات و سکنات میں ہیں؛ خدا کی نشانیوں سے زمین و آسمان

بھرا پڑا ہے۔ سچ کہو کہ تم نے کبھی ان نشانیوں پر غور و فکر کیا ہے کہ یہ کس کی نشانی ہے کس لئے ہے اور کہاں تک اس کی کشش رسا ہے۔ خدا کو تو دیکھ نہیں سکتے جس طرح اپنی روح اور جان کو نہیں دیکھ سکتے مگر جس طرح کی نشانیاں دیکھ کر کہہ اٹھتے ہو کہ ہم زندہ ہیں ہم میں روح موجود ہے اسی طرح خدا کی نشانیوں سے تم کو خدا کے وجود کا اس کے صفات کا اس کے کارناموں کا پتہ نہیں لگتا اور تمہیں اتنا ایمان بھی حاصل نہیں ہوتا جتنا اپنی زندگی کا ایمان و یقین ہے۔ اور اس کی محبت اتنی بھی پیدا نہیں ہوتی جتنی اس کی دی ہوئی جان سے ہے۔ جان کے لئے تو جان جوکھوں مصیبتیں جھیلو اور اس سے اس درجہ غافل آہ۔ آہ

اے مسلمانو! اے علماء اے مشائخو! تشخص نفسانیت، نفاق و جاہ طلبی پر لعنت بھیجو۔ ان برائیوں سے تائب ہو جاؤ اور خدا کی طرف رجوع کرو الیہ المرجع و المآب۔ دیکھو دنیا دوسری ہو رہی ہے، زمانہ بدلنے کو ہے فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ وہ قوم پیدا ہو چکی ہے، قرآن کا غلغلہ آسمان تک پہونچا ہوا ہے اللہ کا نام بلند ہونے کو ہے۔ تم بھی اپنے نعروں سے اس غلغلہ کو عرش تک پہونچاؤ۔ اور اللہ اللہ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قرآن مجید کی رسولی تبلیغ شروع کر دو جس کو میں نے ابھی بیان کیا وہ تو عرب تھے جن کی زبان عربی تھی قرآن کو سنا سمجھا عمل کیا مراد کو پہونچے۔ ہم ہندوستانی عرب نہیں۔ دنیا وسیع ہے۔ ہر قوم کی اپنی اپنی زبان اس لئے ضرور اور لازم ہے کہ قرآن کا ترجمہ بلا آمیزش انسانی رایوں کے ہر قوم کی اپنی زبان میں کیا جائے جن کی تبلیغ کو اٹھو۔ رسول نے اس زبان میں تبلیغ فرمائی جس زبان کو قوم سمجھتی تھی تم اس کا ترجمہ سناؤ اور زبان کی مجبوری اور دقت کو مٹا دو کہ تبلیغ کا دروازہ بند نہ ہو۔ اس طرح قرآن سناؤ اور سمجھاؤ کہ لعلکم تعلمون۔ لعلکم تفقھون، لعلکم تعقلون کا مقصد پورا ہو تاکہ وہ قرآن میں تدبر و تفکر کر سکیں اور خدا کی عظمت و جلالت کا نور ان کے دلوں پر چھا جائے کہ وہ عمل کرنے کی ہمت کر سکیں۔ جب طلب کا کوئی قدم اٹھے گا اور عمل بقدر وسعت شروع ہو جائے گی تو ان الذین آمنوا و عملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا اس کو مودت و محبت کی کیمیا عطا کی جائے گی۔ یہ محبت استقلال عمل سے پرورش پا کر گردش پیدا کرے گی، صفات بدلنے شروع ہوں گے۔ اس گردش سے روش پیدا ہوگی اور تم صراط مستقیم پر لگ جاؤ گے۔ ان ربی علی صراط مستقیم پھر صراط مستقیم پر چلنے سے تم خدا سے ملاقی ہو گے۔

پھر جب تم قرآنی صفات سے متصف ہو جاؤ گے تو شیطان فوج لے کر مقابلہ کو آئے گا۔ دنیا تمہاری دشمن اور مخالف ہو جائے گی اور جہاد کا میدان کارزار گرم ہو جائے گا۔ تم کو جیل جانا ہوگا فاقہ کشی کی مصیبت جھیلنی پڑے گی،

اس وقت تمہارے مخالف تمہارے اپنے ہو جائیں گے اور تم جماعت در جماعت جہاد کے میدان میں ذوق وشوق اور محبت کی گرما گرمی سے عشق کے ہوائی جہاز پر اڑ کر صبر و توکل کی مشین گنوں سے ایمان کا جھنڈا بلند کئے ہوئے میدان مار لوگے۔ کامیابی کا چتر نصب کیا جائے گا اور خلیفہ اللّٰہی کا تاج فرشتے خدا کی بشارتیں دیتے ہوئے تم کو پہنائیں گے۔ مگر سب کچھ پا کر بھی تمہارا کچھ نہ ہوگا صرف وہی ایک اللہ رہے گا اور وہی سب کچھ۔ جو رنگ خلفاء کا تھا تم نے آنکھ سے نہیں دیکھا کانوں سے سنا تو ہے۔ بس اے بھائیو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ وَالْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ۔

حقایق و عبر

۱۔ اپنے آئینے میں

انسان کی بدبختی یہ نہیں کہ اس سے سہواً کوئی لغزش ہو جائے بلکہ بدبختی یہ ہے کہ لغزش کو لغزش اور غلطی کو غلطی تسلیم نہ کرے بلکہ مدافعت اور جواز میں وہ کچھ کہتا چلا جائے جس پر عقل ہنسے اور سنجیدگی ماتم کرے۔ بنگال کے وزیر اعظم جناب نفس الحق صاحب نے جو کچھ کیا ہے کون مسلمان ہے جو اسے ایک ثانیہ کے لئے بھی مناسب قرار دے گا لیکن جناب فضل الحق صاحب ہیں کہ پوری ڈھٹائی سے اسے بہت بڑی خدمت ملی قرار دیتے چلے جا رہے ہیں اور اس مذموم حرکت کا نام بڑی جرأت اور دانش اطواری رکھ رہے ہیں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے مہاسبھا کے لیڈر۔ ڈاکٹر مکرجی کی کابینہ میں شمولیت پر خواہ مخواہ شور مچا رکھا ہے حالانکہ

"یہ تو بڑی اہم بات ہے کہ فرقہ وارانہ حقوق کے دو ایسے متشدد حامیوں کو اتنی جرأت اور دانش مندی نصیب ہو جائے کہ وہ بنگال کی سیاست میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے مشترکہ ذمہ داری کو سنبھالیں"

(ہندوستان ٹائمز ۴-۱-۴۲)

لیکن جس چیز کا نام آج جرأت اور دانش اطواری رکھا جاتا ہے اور اس کی بنا پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حقوق کا بہت بڑا محافظ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اس سے پیشتر کیا کہا جاتا تھا یہ ہم سے نہیں خود جناب فضل الحق صاحب کی زبان سے سنئے۔ جب ۱۹۳۸ء میں کلکتہ میں مسلم لیگ کا اجلاس خصوصی منعقد ہوا ہے تو جناب فضل الحق صاحب نے بھرے اجلاس میں اپنے خطبۂ استقبالیہ میں فرمایا تھا۔

"کانگرس نے مجھ سے کئی بار درخواست کی ہے کہ میں مشترکہ وزارت قائم کر لوں۔ اگر میں ان کی شرائط کو مان لیتا تو یقیناً میں وزیر اعظم بھی رہتا اور وزارت بھی یقیناً برسوں تک مستحکم رہتی لیکن یہ وزارت **شاہ عالم** کی بادشاہت یا **میر جعفر** کی نوابی سے زیادہ باعزت اور باوقار نہ ہوتی۔ مجھے اپنے دستخطوں سے کانگرس کے ان اسلام کش فرامین اور مہاسبھا کے احکام کو نافذ کرنا پڑتا جو اسلام کے خلاف دشمنی اور عداوت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر میں ایسا کرتا تو میں آخرت میں اللہ اور اس کے آخری رسول کو کیا منہ دکھاتا؟"

اللہ اکبر! ہوس جاہ پرستی اور زر بھی انسان سے کیا کچھ کہلا دیتی ہے! ہم تو سمجھتے ہیں کہ جناب فضل الحق صاحب کے اس ایک واقعہ میں ارباب بصیرت کے لئے عبرت و موعظت کے ہزار سامان پوشیدہ ہیں رو سیاہی اور ایسی سخت رو سیاہی!

دیکھو انھیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
ان کی سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

۲۔ روحِ عظیم (ابو الکلام آزاد) ہندوستان کی فضائے سیاست میں ایک عرصہ سے یہ بات مشہور ہے کہ گاندھی جی نے ناگپور کے بھرے اجلاس میں کہا تھا کہ اردو قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اس لئے مسلمان چاہیں تو اسے محفوظ رکھیں۔ چونکہ گاندھی جی کے منھ سے یہ ایسی بات نکل گئی تھی جو ان کے قلبی کیفیت کو بے نقاب کئے دیتی تھی اس لئے ان کے چیلے۔ بالخصوص مسلم قومیت پرست حضرات ایک عرصہ سے کلبلا رہے تھے کہ کس طرح اسکی تردید ہو جائے چنانچہ اس غرض کے لئے حیدرآباد کے ایک صاحب ڈاکٹر جعفر حسن نے گاندھی جی سے اس کی بابت استفسار کیا۔ یہ خط وکتابت "ہماری زبان" (مورخہ ۱۶ ؍ ۳۹) میں شائع ہوئی ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"مائی ڈیر باپو ــــ آپ کو غالباً علم ہوگا کہ اکثر آپ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے کہا "اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے اگر وہ (مسلمان) چاہیں تو اسے رکھیں"۔

اگرچہ یہ مقولہ مختلف طریقے سے دہرایا جاتا ہے مگر معنی ایک ہی ہوتے ہیں۔ سننے والوں پر اس کا یہی اثر ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف اردو زبان کی حفاظت کی طرف سے بے پروا ہیں بلکہ اس زبان سے آپ کو عناد ہے اس لئے کہ یہ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔

میں بہت ممنون ہوں گا کہ اگر آپ مجھے مطلع کر سکیں کہ آپ نے کبھی کوئی ایسی بات کہی ہے۔ نیز یہ کہ اب آپ کی غور کرنے کے بعد کی رائے کیا ہے۔

میں آپ کو کبھی ایسی تکلیف نہ دیتا مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ رائے ہزاروں بار آپ سے منسوب کی گئی ہے اور اب بھی بار بار دہرائی جاتی ہے جس کی وجہ سے مخالفتوں میں زیادتی ہو رہی ہے۔ مجھے اتنا اور کہنا ہے کہ آپ کی اس رائے زنی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نے ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی اردو کے (سکریٹری) مولوی عبدالحق (صاحب) کے سامنے کی۔

میں ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے جواب عنایت فرمائیں گے۔

آپ کا مخلص جعفر حسن

سیوا گرام، وردھا ہوکر (مدھیا پرانت)

۲۹ ستمبر ۱۹۴۱ء

مائی ڈیر جعفر — مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے مجھے خط لکھا۔ جو الفاظ مجھ سے منسوب کیے جاتے ہیں، میں نے کبھی نہیں استعمال کیے۔ میں وہ عبارت (دیکھنا) چاہتا ہوں۔ میں ایسی رائے زنی کر ہی نہیں سکتا تھا اس لیے کہ میں نے خود اردو کا مطالعہ کیا ہے۔ میں اکثر لوگوں کو اردو میں خط لکھتا ہوں میں نے مولانا شبلی کی "سیرت" اور دوسری تصنیفیں پڑھی ہیں۔ 'ہندی' کی جو تعریف ہندی ساہتیہ سمیلن نے منظور کی ہے وہ میں نے ہی کی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ "وہ زبان جسے شمال کے ہندو اور مسلمان بولتے ہیں اور ناگری یا فارسی دونوں رسم خط میں لکھی جاتی ہے"۔

آپ کا باپو

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ گاندھی جی کس طرح پہلو بچا کر اس الزام سے انکار کر گئے ہیں۔ اب اس پر جناب عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"ڈاکٹر جعفر حسن صاحب نے ایک پرانے قضیے کو تقریباً پانچ سال کے بعد پھر جگایا ہے۔ گاندھی جی کا یہ کہنا کہ میں نے وہ زبان یعنی الفاظ استعمال نہیں کیے جو مجھ سے منسوب کیے جاتے ہیں ایک طرح صحیح ہے انھوں نے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ بلکہ انھوں نے یہ فرمایا تھا کہ۔

اُردو مسلمان بادشاہوں نے پھیلائی اور قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے وہ چاہیں تو اسے رکھیں"۔

یہ الفاظ گاندھی جی نے آکھل بھارتیہ ساہتیہ پرشد کے کھلے اجلاس منعقدہ ناگپور (۱۹۳۵ء) میں سینکڑوں اصحاب کے سامنے فرمائے۔ میں اس اجلاس میں موجود تھا اور ہندی اردو کے بارے میں دیر تک مجھ سے ان سے بحث رہی۔ ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کو حیرت ہے کہ گاندھی جی جیسے راست باز اور با اصول لیڈر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ "اردو قرآن کے حرفوں میں لکھی جاتی ہے"۔ لیکن جس وقت ہم نے یہ الفاظ گاندھی جی کی زبان مبارک سے اپنے کانوں سے سنے تو ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو اس سے کہیں زیادہ حیرت ہوئی جتنی ڈاکٹر جعفر حسن کو ہوئی میں نے اس کے بعد ہی پرشد کے اجلاس کی

پوری کیفیت چھاپ کر شائع کر دی تھی اور اس کی تردید نہ کبھی گاندھی جی نے کی اور نہ کسی اور صاحب نے اس کے کچھ دنوں بعد پنڈت سندر لال صاحب نے ایک طویل خط اس بارے میں لکھا اور گاندھی جی کو اس بیان پر متنبہ کیا تو اس وقت بھی انھوں نے اس سے انکار کیا اور نہ تردید کی۔ گاندھی جی کے لئے یہ کہہ دینا ایک معمولی بات ہو گئی ہے کہ یہ میری بھاشا نہیں۔ یہ الفاظ جو مجھ سے منسوب کئے گئے ہیں میرے نہیں لیکن یہ کبھی نہیں کہتے کہ میں نے کیا کہا تھا یا میں نے یہ نہیں یہ الفاظ استعمال کئے تھے ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کے خط کے جواب میں بھی انھوں نے یہی کیا ہے یہ ایک راست باز اور با اصول لیڈر کا جواب نہیں ہو سکتا یہ ایک وکیلانہ عیاری ہے

میں نے بھارتیہ ساہتیہ پرشد کی روئداد میں گاندھی جی کا جو قول لکھا ہے وہ حرف بحرف درست ہے اور خاص انھیں کے لفظوں میں ہے اور ان میں مطلق تصرف نہیں کیا گیا۔ وہ لفظ اب تک میرے کان میں گونج رہے ہیں اور اس کے سننے والے اب بھی موجود ہیں۔ میں اس کے ثابت کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔

ہندی کی جو تعریف ساہتیہ سمیلن نے منظور کی تھی وہ بلا شبہ گاندھی جی نے کی ہو گی لیکن ہندوستانی کی تعریف جو کانگرس نے منظور کی تھی وہ بھی تو آپ ہی نے فرمائی تھی جیسا کہ خود انھوں نے بیان کیا تھا۔ مگر جب ہم نے ساہتیہ پرشد کے اجلاس میں ان سے عرض کیا کہ جب خود آپ نے ہندوستانی کا رزولیوشن بنایا اور کانگرس میں پیش کر کے منظور کرایا تو پھر آپ کانگرس کی قرارداد اور آئین کے مطابق پرشد کی زبان ہندوستانی کیوں منظور نہیں کرتے تو آپ نے کیا خوب جواب دیا کہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا۔ گاندھی جی تو جیسے دنیا دل کے کامل استاد ہیں اور ان کے اقوال و اعمال میں عجیب تضاد پایا جاتا ہے۔ یہاں ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے لیکن جو صاحب "مہاتما جی" کی سیرت کے اس پہلو کو تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں وہ مسٹر یا جنک کی بے لاگ کتاب Gandhi as I know him کا مطالعہ فرمائیں۔

یہ ہے وہ "روح عظیم" جس کے اتباع میں ہمارے علما حضرات کو "نجات و سعادت" کی راہ نظر آرہی ہے۔

۳۔ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ

اشاعتِ سابقہ میں ہم نے لکھا تھا کہ نواب بہادر ڈھاکہ نے اپنے مسلم لیگی رفقاء کار (سر ناظم الدین وغیرہ) کے خلاف بے بنیاد الزام عائد کئے ہیں۔ اصل بات یہ

(بقیہ برصفحہ ۶۴)

باب المراسلات

آپ کا جرم

(قارئین طلوعِ اسلام میں سے ایک بالغ نظر صاحب ذوق کرم فرما اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں)

روایات کے متعلق طلوعِ اسلام کی روش کا میں شروع سے نہایت دلچسپی سے مطالعہ کرتا چلا آرہا ہوں اور جو کچھ اس کے مخالف کہا جاتا ہے اسے بھی بغور دیکھتا ہوں۔ میں دیکھ کر حیران ہوں کہ بعض لوگ اپنے خاص مقاصد کے پیش نظر دوسروں کو بدنام کرنے میں اس قدر جرأت سے کام لیتے ہیں۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں روایات کے متعلق آپ کا مسلک حرف بحرف وہی ہے جو عام اعتدال پسند مسلمانوں کا ہے۔ میرے خیال میں آپ نہ منکر حدیث ہیں۔ نہ چکڑالوی ہیں۔ نہ اہل قرآن (اصطلاحی معنوں میں) ہیں لیکن بدنام کرنے والوں کا کیا علاج؟ انہیں تو عوام کو بھڑکانے کے لئے چند الفاظ کی ضرورت ہے اور بس! اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ عوام تو ایک طرف اچھے خاصے پڑھے لکھوں سے جب پوچھئے کہ کیوں بھئی! تم نے خود تحقیق کر لیا ہے کہ جو اتہامات یہ لوگ لگا رہے ہیں ان کی کچھ اصلیت بھی ہے یا نہیں۔ تو ایک کھسیانے پن کی ہنسی کے ساتھ کہہ دیں گے کہ میں نے خود تو تحقیق نہیں کیا لیکن سچ ہی ہوگا! ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ صاحب یہ کہئے کہ جب طلوعِ اسلام والے احادیث کے منکر ہیں تو پھر انھوں نے اپنی نمازوں کی صورت بھی کچھ اور ہی مقرر کر لی ہوگی۔ میں نے کہا کہ بھائی! وہ تو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ان احکامِ قرآنی کی جو شکل رسول اللہؐ نے متعین فرما دی ہے اس میں قیامت تک بھی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ سو وہ نماز کی کوئی صورت کیوں پیدا کرنے لگے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ لوگ بالکل اسی طرح سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں جس طرح عام مسلمان۔ اس پر اس نے پوچھا کہ پھر وہ کہتے کیا ہیں؟ میں نے کہا کہ کہتے صرف اتنا ہیں کہ ہماری روایات کے موجودہ مجموعے خود رسول اللہؐ نے مرتب فرما کر نہیں دئے۔ انسانوں کی کوششوں سے مرتب ہوئے تھے۔ اور انسانی کوشش میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اس لئے ان میں سے صحیح اور غلط کے پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ جو بات قرآن کے مطابق ہو وہ صحیح۔ جو اس کے خلاف وہ غلط۔ یہ ہے وہ تمام جرم جس پر اس قدر طوفان برپا کیا جا رہا ہے!

مجھے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو ایک عرصہ سے طلوعِ اسلام سے کسی نہ کسی رنگ میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ان میں جو لوگ آجکل آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان میں ایک طبقہ تو ان کا ہے

جنھیں آپ سے شروع سے ہی حسد چلا آتا ہے۔ نہ معلوم کیوں! لیکن طلوع اسلام کے فروغ نے انھیں ہمیشہ آتش در پیرہن رکھا ہے۔ آپ یہ سنکر حیران ہونگے کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سے پیشتر خود روایات کے سخت مخالف تھے اور نہایت دریدہ دہنی سے (معاذ اللہ) اس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ لیکن جونہی طلوع اسلام نے مسلک اعتدال کو پیش کیا تو میری حیرت کی حد نہ رہی کہ یہی لوگ احادیث کے سب سے بڑے محافظ بن کر طلوع اسلام کی مخالفت پہ اتر آئے۔ اس غرض کے لئے جہلا کی جماعت کا ساتھ ملا لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ کون مسلمان ہے جسے یہ کہدیا جائے کہ فلاں شخص رسول اللہ کی احادیث کا منکر ہے اور وہ اس کی مخالفت پر نہ اتر آئے۔ اس سے آگے بڑھیے تو "علماء" کی جماعت آتی ہے۔ یہ لوگ بالعموم جمعیت العلماء کے ہمنوا ہیں اور جمعیت العلماء کی گمراہ کن روش کے متعلق طلوع اسلام نے جس صداقت اور حق گوئی سے کام لیا ہے۔ وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ یہ لوگ دانت پیس پیس کر سب کچھ سنتے رہے اس لئے کہ جو کچھ طلوع اسلام میں لکھا جاتا تھا اس کا جواب ان سے بن ہی نہیں پڑتا تھا۔ اب جو انھیں موقعہ ہاتھ آیا تو پرانے انتقام نے یہ شکل اختیار کرلی۔ اب ہر جگہ طلوع اسلام کو بدنام کرتے پھر رہے ہیں اور اپنے جذبۂ انتقام کو "حفاظتِ احادیث رسول اللہ" کا مقدس نقاب اڑھا کر آتش حسد کو ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ کبھی ایمانداری سے سوچیں تو ان میں سے اکثر ایسے ہونگے جو روایات کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو آپ کا ہے۔ ذرا غور کیجئے! آپنے یہ کہا ہے کہ روایات کی جمع و ترتیب انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جو غلطی سے پاک نہیں ہوسکتی۔ یہی الفاظ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ لیکن انھیں کوئی منکرِ حدیث نہیں کہتا۔ آپنے یہی کہا ہے کہ صحاح ستہ کی کتابوں میں غلط اور صحیح روایات مخلوط ہیں۔ یہی الفاظ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ محدث قرار پاتے ہیں اور آپ لوگ منکر۔ آپ نے یہی کہا ہے کہ روایات کے مجموعے عہد رسالتمآبؐ کی تاریخ ہیں۔ بالکل یہی کچھ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے کہا ہے جب انھوں نے لکھا ہے کہ ہماری صحاح اربعہ کا درجہ اناجیل اربعہ کے درجہ پر ہیں لیکن ان "علماء حضرات" میں سے کوئی نہیں جو مولانا سندھی صاحب کو منکرِ حدیث کہکر بدنام کرے۔ پھر آپنے یہی کہا ہے کہ احادیث ظن سے خالی نہیں اور یہ عقیدہ غلط ہے کہ جو کچھ ان مجموعوں میں آچکا ہے وہ شک و شبہ سے بالا ہے۔ یہی الفاظ مولانا حمید الدین صاحب فراہیؒ نے فرمائے ہیں۔ لیکن انھیں کوئی منکرِ حدیث نہیں کہتا اور آپ پر ٹھہ چڑھ کر یہ لیبل لگایا جاتا ہے۔ اگر آپ منکرِ حدیث ہیں تو متقدمین و متاخرین میں سے یہ تمام حضرات بھی منکرین حدیث ہیں۔ لہذا آپنے یہ بھی سوچا کہ یہ حضرات منکرین حدیث نہیں لیکن انہی کے

اقوال جب آپ نقل کریں تو آپ منکرین احادیث قرار پا جائیں۔ کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ جن حضرات کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ مولوی حضرات ان میں سے کسی کے خلاف لب کشائی کی جرأت کر سکتے ہیں! ایسی نہیں کہ ان کے خلاف لب کشائی نہیں کر سکتے بلکہ اگر یہ لوگ دیانتداری سے ان بزرگوں کو اپنا امام مانتے ہیں تو ان کا مذہب بھی وہی ہونا چاہیئے جو ان بزرگوں کا تھا اور ہے اس لئے طلوع اسلام کے خلاف ان لوگوں کا شور وشین اس لئے نہیں کہ فی الواقعہ ان لوگوں کو ایمانداری سے اس کے مسلک در بارۂ روایات سے اختلاف ہے بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے۔ محض حسد اور انتقام کا جذبہ تھا جسے فرو کرنے کے لئے انھیں یہ حربہ ہاتھ آ گیا ہے میرے ملنے والوں میں سے ایک صاحب رسالہ ترجمان القرآن کے بہت مداح ہیں۔ یہ خوشی کی بات ہے۔ میں خود ترجمان القرآن پڑھتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ترجمان القرآن سے ان کی دلبستگی حُبِ علی نہیں بلکہ بغض معاویہؓ کی بنا پر ہے۔ وہ بھی طلوع اسلام کے مخالفین میں سے ہیں اور ہر جگہ یہی کہتے پھرتے ہیں کہ میری مخالفت ان کے مسلکِ حدیث کی بنا پر ہے۔ میں نے ان سے ایک دن پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے خود حدیث کے بارے میں کیا خیالات ہیں؟ میں نے جب انھیں مودودی صاحب کی تحریریں نکال کر دکھائیں تو ان پر بھی وہی اعتراض عائد ہوتے ہیں جو وہ طلوع اسلام کے خلاف عائد کرتے تھے۔ اس پر وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ لیکن آپ حیران ہونگے کہ اس کے باوجود ان کی طلوع اسلام سے مخالفت اور ترجمان القرآن سے شیفتگی کا وہی عالم رہا۔ اس سے آپ اندازہ فرمائیے کہ ان لوگوں کی مخالفت کس بنا پر ہے۔ محترمی پرویز صاحب کا مضمون شخصیت پرستی پہلے ترجمان القرآن میں شائع ہوا تھا۔ اس پر جناب مودودی صاحب نے ایک استدراک تحریر فرمایا تھا۔ اس استدراک میں پہلے ان لوگوں کی مخالفت کی گئی تھی جو احادیث کو بالکلیہ رد کر دیتے ہیں اور ان کے نزدیک رسول کی حیثیت ایک آلۂ ابلاغ سے کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ یہ مسلک (جیسا کہ آپ نے خود واضح طور پر لکھدیا ہے) طلوع اسلام اور اس کے مضامین نگار حضرات (مخدومی پرویز صاحب اور علامہ اسلم صاحب مدظلہ) کا نہیں اس کے بعد جناب مودودی صاحب نے احادیث کا وہ پہلو لیا ہے جس کے خلاف طلوع اسلام میں لکھا جاتا ہے۔ ہر چند یہ خط ایک مضمون کی صورت اختیار کر لے گا لیکن میں اسے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس باب میں جناب مودودی صاحب کا نقطۂ نظر انہی کے الفاظ میں پیش کر دوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اپنے اس دوست کو جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ کیا دکھایا تھا۔ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔

یہ تو اس گروہ کا حال تھا جو احادیث کی اصولی ظنیت کی بنا پر انھیں بالکلیہ رد کر دینا چاہتا ہے۔ اب دوسرے گروہ کو لیجئے جو دوسری انتہا کی طرف گیا ہے یہ لوگ محدثین کے اتباع میں جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھدیا ہے۔ ایک ایک حدیث کو چھانٹ کر وہ بتا چکے ہیں کہ کون کس حد تک قابل اعتبار ہے اور کون کس حد تک ناقابل اعتبار۔ اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دئے ہیں انہی کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور صحیت کا مرتبہ دیں۔ مثلاً جو قوی الاسناد ہے اس کے مقابلہ میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں، جسے وہ صحیح قرار دے گئے ہیں اسے صحیح تسلیم کریں اور جس کی صحت میں وہ قدح کر گئے ہیں اس سے بالکل استناد نہ کریں، ان کے معروف کو معروف اور ان کے منکر کو منکر مانیں، رواۃ کے عدل و ضبط اور ثقاہت کے متعلق جن جن آراء کا وہ اظہار کر گئے ہیں ان پر گویا ایمان لے آئیں، ان کی نگاہ میں احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کریں، مثلاً مشہور کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں، اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے یکسر متجاوز نہ کریں۔ **یہی وہ مسلک ہے جس کی مخالفت جناب پرویز کرنا چاہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کی مخالفت بالکل جائز ہے۔**

محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلّم۔ یہ بھی مسلّم کہ نقد حدیث کے لئے جو مواد انھوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے؟ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظنّ غالب ہے مزید برآں یہ ظنِ غالب جس بناء پر ان کو حاصل ہوتا تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ کہ بلحاظِ درایت ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا۔ فقہ ان کا اصل موضوع ہی نہ تھا، اس لئے فقیہانہ نقطۂ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہائے مجتہدین کی بہ نسبت کمزور تھے۔ پس ان کے کمال کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انھوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اسناد دوسرے بلحاظ تفقّہ۔

اس مطلب کی توضیح کے لئے ہم ان دونوں حیثیتوں کے نقائص پر تھوڑا سا کلام کریں گے۔

کسی روایت کو جانچنے میں سب سے پہلے جس چیز کی تحقیق کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ روایت جن لوگوں کے واسطے سے آئی ہے وہ کیسے لوگ ہیں۔ اس سلسلہ میں متعدد حیثیات سے ایک ایک راوی کی جانچ کی جاتی ہے۔ وہ جھوٹا تو نہیں ہے؟ روایتیں بیان کرنے میں غیر محتاط تو نہیں؟ فاسق اور بدعقیدہ تو نہیں؟ وہمی یا ضعیف الحفظ تو نہیں؟ مجہول الحال ہے یا معروف الحال؟ ان تمام حیثیات سے رواۃ کے احوال کی جانچ پڑتال کر کے محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا ہے جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے۔ مگر اس میں کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ اول تو رواۃ کی سیرت اور ان کے حافظ اور ان کی دوسری باطنی خصوصیات کے متعلق بالکل صحیح علم حاصل ہونا مشکل۔ دوسرے خود وہ لوگ جو ان کے متعلق رائے قائم کرنے والے تھے، انسانی کمزوریوں سے مبرّا نہ تھے۔ نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے جذبات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے یہ امکان محض امکانِ عقلی نہیں ہے بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان فعل میں آ گیا ہے۔ حماد جیسے بزرگ تمام علمائے حجاز کے متعلق رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم نہیں، تمہارے بچے بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ عطا اور طاؤس اور مجاہد جیسے فضلاء کے حق میں بھی ان کی یہی رائے ہے۔ یہ حماد کون ہیں؟ امام ابوحنیفہ کے استاد اور ابراہیم النخعی کے جانشین۔ امام زہری کو دیکھئے اپنے زمانہ کے اہل مکّہ پر ریمارک کرتے ہیں ما رأیت قوماً انقض لعُرَی الاسلام من اهل مکة ص۱ حالانکہ اس وقت جلیل القدر علماء و صلحاء سے خالی نہ تھا۔ شعبی اور ابراہیم النخعی دونوں بڑے درجہ کے لوگ ہیں مگر ایک دوسرے پر کس طرح چوٹ کرتے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ ابراہیم النخعی رات کو ہم سے مسائل پوچھتا ہے اور صبح لوگوں کے سامنے اپنی طرف سے بیان کرتا ہے۔ ابراہیم النخعی کہتے ہیں کہ "وہ کذاب مسروق سے روایت کرتا ہے حالانکہ مسروق سے وہ ملا تک نہیں۔" ضحاک کو دیکھئے ایک مرتبہ اپنی بات کی پیچ میں آ کر صحابۂ کرام کے متعلق کہہ گئے کہ "ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔" سعید بن جبیر جیسے محتاط بزرگ ایک ایسے مسئلہ میں شعبی پر جھوٹ کا الزام رکھتے ہیں، اور عکرمہ کے حق میں اپنے غلام سے کہتے ہیں کہ لا تکذب علیَّ ص۲ کما کذب عکرمة علی ابن عباس رض امام مالک کی جلالت شان دیکھئے اور محمد بن اسحاق جیسے شخص کے حق میں ان کا یہ فرمانا دیکھئے۔ کہ

ص۱ میں نے اسلام کی رسّی (حلقہ) کو توڑنے والے۔ مکہ والوں سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔

ص۲ میری طرف جھوٹ منسوب نہ کرنا جیسے عکرمہ نے ابن عباس رض کی طرف جھوٹ منسوب کی۔

ذالك دجال الدجاجلة[1] اس سے بڑھ کر عجیب یہ کہ وہ تمام علماء عراق پر سخت طعن کرتے ہیں اور ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ انزلوھم[2] منزلۃ اھل الکتاب لا تصدقوھم ولا تکذبوھم امام ابو حنیفہ کس قدر جلیل القدر اور محتاط فقیہ ہیں۔ اعمش کے حق میں فرماتے ہیں کہ اس نے کبھی نہ رمضان کا روزہ رکھا نہ غسل جنابت کیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اعمش الماء من الماء کے قائل تھے اور حذیفہ کی حدیث کے مطابق سحری کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کس پایہ کے ثقہ بزرگ ہیں۔ ایک مرتبہ ان پر بھی ضد نے غلبہ کیا اور امام مالک کے حق میں ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "میں اس کو عالم نہیں سمجھتا" یحییٰ بن معین نے تو بڑے بڑے ثقات پر چوٹیں کی ہیں۔ زہری اوزاعی ابو عثمان النہدی، طاؤس غرض اس عہد کے متعدد بڑے بڑے لوگوں پر وہ طعن کر گئے ہیں حتیٰ کہ امام شافعی تک کے حق میں انھوں نے کہا کہ لیس ثقۃ[3] ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے ابن عمر نے سنا کہ ابوہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ فرمانے لگے کہ ابوہریرہ جھوٹے ہیں۔ حضرت عائشہ نے ایک موقع پر انس اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول اللہ کو کیا جانیں۔ وہ تو اس زمانہ میں بچے تھے حضرت حسن بن علی سے ایک مرتبہ وشاھد ومشھود کے معنی پوچھے گئے انھوں نے اس کی تفسیر بیان کی۔ عرض کیا گیا کہ ابن عمر اور ابن الزبیر تو ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ فرمایا دونوں جھوٹے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دیدیا۔ عبادہ بن الصامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگا دیا، حالانکہ وہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔

اس قسم کی مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسماء الرجال کا سارا علم غلط ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن حضرات نے رجال کی جرح و تعدیل کی ہے وہ بھی تو آخر انسان تھے، بشری کمزوریاں ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھیں۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انھوں نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو، اور جس کو انھوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو۔ اور اس کی تمام روایتیں پایۂ اعتبار سے ساقط ہوں۔ پھر ایک ایک راوی کے حافظہ اور نیک نیتی

---

[1] وہ دجالوں کا سردار ہے [2] علماء عراق کو (اہل کتاب) عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح سمجھو۔ ان کی بات کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب .... [3] بے اعتبار آدمی ہے۔

اور صحت ضبط وغیرہ کا حال بالکل صحیح معلوم کرنا تو اور مشکل ہے - اور ان سب سے زیادہ مشکل یہ تحقیق کرنا ہے کہ ہر راوی نے ہر روایت کے بیان میں ان تمام جزئیات کو ملحوظ بھی رکھا ہے جو فقیہانہ نقطۂ نظر سے استنباط مسائل میں اہمیت رکھتی ہیں -

یہ فن رجال کا حال ہے۔ اس کے بعد دوسری اہم چیز سلسلۂ اسناد ہے۔ محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے - آیا وہ اس کا ہم عصر تھا یا نہیں، ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں، اور ملا تھا تو آیا اس نے یہ خاص حدیث خود اسی سے سنی یا کسی اور سے سن لی - اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق انھوں نے اسی حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے، مگر لازم نہیں کہ ہر روایت کی تحقیق میں یہ سب امور ان کو ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہوں بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو اور انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو۔ کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا - اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں، اور اس بنا پر پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں -

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ایسے ہیں جن کی بنا پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سنّتِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے -

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا، اس لئے ان پر اخباری نقطۂ نظر غالب ہو گیا تھا، اور وہ روایات کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں - رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو ان کے موضوعِ خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا، اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے - اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انھوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں، حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے - یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو

کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ علوم شریعت میں نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے اور محدثین کرام صحیح احادیث سے بھی احکام و مسائل کے استنباط میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقہاء مجتہدین نے ملحوظ رکھا ہے۔

اس بحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح حدیث کو بالکلیہ رد کر دینے والے غلطی پر ہیں اسی طرح **وہ لوگ بھی غلطی سے محفوظ نہیں ہیں جنھوں نے حدیث سے استفادہ کرنے میں صرف روایات ہی پر اعتماد کر لیا ہے۔** مسلک حق ان دونوں کے درمیان ہے، اور وہی مسلک ہے جو ائمہ مجتہدین نے اختیار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے، یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالک کا ہے۔ باوجودیکہ اخباری نقطۂ نظر ان پر زیادہ غالب ہے، مگر پھر بھی ان کے تفقّہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتوےٰ دینے پر مجبور کیا جنھیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی فقہ سے تقریباً ستر مسئلے اس نوعیت کے نکالے ہیں۔ امام شافعی کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ **یہ لوگ** کسی حدیث کو حدیث صحیح جان کر اس سے انحراف کرتے تھے بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ **ان کے نزدیک صحتِ حدیث کا مدار صرف اسناد پر نہ تھا۔** اسناد کے علاوہ ایک اور کسوٹی بھی تھی۔ جس پر وہ احادیث کو پرکھتے تھے، اور جس حدیث کے متعلق ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ یہ حقیقت سے اقرب ہے اسی کو قبول کر لیتے تھے خواہ وہ خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے مرجوح ہی کیوں نہ ہو۔

یہ دوسری کسوٹی کونسی ہے؟ ہم اس سے پہلے بھی اشارۃً اس کا ذکر کئی مرتبہ کر چکے ہیں جس شخص کو اللہ تعالےٰ تفقّہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرت رسولؐ کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس ذوق کا مالک اسلام کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور وہ اس کی رُوح کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اس کی نظر بہ حیثیت مجموعی شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے، اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اس کے بعد جب جزئیات ان کے سامنے آتے ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کونسی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کونسی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر

ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی رد و قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین ذات نبوی کا مزاج ہے جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کونسا قول یا کونسا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کونسی چیز سنت نبوی سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح، روح محمدیؐ میں گم اور اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ اور وہ اسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ **وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔** وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ، متصل السند، مقبول حدیث سے بھی اعتراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جام زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبویؐ کے مناسب نظر نہیں آتی۔

یہ چیز چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی، نہ آسکتی ہے اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے درمیان جزئیات میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں۔ **پھر یہ کوئی چیز نہیں کہ ایک شخص کا ذوق لامحالہ دوسرے شخص کے ذوق سے کلیتہً مطابق ہی ہو۔** یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسلک کے ائمہ نے بہت سے مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے اقوال میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ وہ اس کی ایک روشن مثال ہے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مجتہد کا ذوق ہر مسئلہ میں صواب ہی کو پہنچ جائے۔ انسان بہرحال کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا مجتہد بھی غلطی کر سکتا ہے اور کر جاتا ہے۔ اسی بناء پر ائمہ مجتہدین ہمیشہ ڈرتے رہے ہیں اور **انھوں نے ہمیشہ اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ ہم پر بالکل اعتماد نہ کر لو۔** خود بھی تحقیق کرتے رہو اور جب کوئی سنت ہمارے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو ہمارے قول کو رد کر کے سنت کی پیروی کرو"

اقتباس بہت لمبا ہو گیا لیکن بہرحال میں اسے ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ روایات کے ظنی

ہونے کے متعلق طلوعِ اسلام نے اس سے بڑھ کر کچھ لکھا ہو۔ بلکہ جناب مودودی صاحب تو طلوعِ اسلام سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ طلوعِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ صحیح ہے۔ جو اس کے خلاف ہو وہ غلط ہے۔ یعنی صحت اور سقم کے پرکھنے کی جو کسوٹی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور جس میں کسی قسم کی غلطی یا التباس کا گمان تک بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی کسوٹی پر روایات کو پرکھنا چاہیئے۔ لیکن جناب مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار انسان کا **اپنا ذوق ہے**۔ اب ظاہر ہے کہ جس چیز کی صحت کا مدار کسی شخص کے ذوق پر ہو۔ خواہ وہ ذوق کتنے ہی غائر مطالعہ کے بعد کیوں نہ پیدا ہوا ہو۔ وہ چیز یقینیات میں کس طرح داخل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے اپنے نزدیک یقینیات میں داخل بھی ہو جائے تو کسی دوسرے کے لئے وہ حجت کیسے قرار دی جا سکتی ہے۔ اسی لئے جناب مودودی صاحب نے خود فرمایا ہے کہ یہ چیز سراسر ذوقی ہے اس لئے اس میں ہمیشہ اختلاف کی گنجائش ہے حالانکہ اس کے برعکس طلوعِ اسلام ایک ایسی کسوٹی پیش کرتا ہے جس میں شبہ یا اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں یہ ہے جناب مودودی صاحب کے نزدیک احادیث کی حیثیت۔ لیکن اس کے باوجود ان کا شمار حدیث کے ماننے والوں میں ہے اور طلوعِ اسلام والے "منکرینِ حدیث"۔ ابھی اگلے دنوں (اخبار مسلم لیگ۔ لاہور بابت ۱۸ ⁄ ۱۱) میں جناب مودودی صاحب کا ایک مقالہ بعنوان "ملتِ اسلامیہ کی تعمیر نو کا صحیح طریقہ" شائع ہوا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

{فقہا، متکلمین مفسرین اور محدثین رحمہم اللہ اجمعین کے علم و فضل اور ان کی جلالت شان سے کون انکار کر سکتا ہے۔ مگر وہ انسان تھے اکتسابِ علم کے وہی ذرائع رکھتے تھے جو عام انسانوں کو حاصل ہیں۔ ان کے پاس وحی نہیں آتی تھی بلکہ وہ اپنی عقل و بصیرت کے ساتھ کلام اللہ و سنت رسول اللہ میں غور و فکر کرتے تھے اور جو اصول ان کے نزدیک متحقق ہو جاتے تھے انہی سے وہ قوانین اور عقائد کے فروع مستنبط کر لیا کرتے تھے۔ ان کے اجتہادات ہمارے لئے مددگار اور رہنما بن سکتے ہیں۔ مگر بجائے خود اصل اور منبع نہیں بن سکتے انسان خواہ سراسر اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔ یا کسی اسلامی کتاب سے اکتسابِ علم کر کے اجتہاد کرے دونوں صورتوں میں اس کا اجتہاد دنیا کے لئے دائمی قانون اور اٹل قاعدہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ انسانی تعقل اور علم ہمیشہ زمانہ کی قیود سے مقید ہوتا ہے۔

تمام زمانی و مکانی قیود سے آزاد اگر کوئی ہے تو وہ صرف خداوند عالم ہے جس کے پاس حقیقی علم ہے اور جس کے علم میں زمانہ کے تغیرات سے ذرہ برابر کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اس علم کا فیضان قرآن کی آیات اور اس کے لانے والے کے سینے میں ہوا تھا۔ وہی درحقیقت ایسا ناخدا اور سرچشمہ بن سکتا ہے جس سے ہمیشہ ہر زمانے

کے لوگ اپنے مخصوص حالات اور اپنی ضروریات کے لحاظ سے علوم، افکار اور قوانین اخذ کرتے رہیں۔ جب تک علماء اسلام اس اصل منبع و ماخذ سے اکتساب علم کرتے رہے۔ اس وقت تک، اسلام زمانہ کے ساتھ حرکت کرتا رہا مگر جب قرآن مجید میں غور و فکر کرنا چھوڑ دیا گیا جب احادیث کی تحقیق اور چھان بین بند ہو گئی۔ جب آنکھیں بند کر کے پچھلے مفسرین اور محدثین کی تقلید کی جانے لگی جب پچھلے فقہا و متکلمین کے اجتہادات کو اٹل اور دائمی قانون بنا لیا گیا۔ جب کتاب و سنت سے براہ راست اکتساب علم کو ترک کر دیا گیا اور جب کتاب و سنت کے اصول کو چھوڑ کر بزرگوں کے نکالے ہوئے فروع ہی اصل بنائے گئے تو اسلام کی ترقی دفعۃً رک گئی۔ اس کا قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگا۔}

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ۔

{صحیح علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جس ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے اسے پھر سیدھا کر دیا جائے۔ قرآن کو وہی پیشوائی کا مقام دیجئے جو در اصل اس کا مقام تھا حدیث کو وہی مرتبہ دیجئے جو عہد رسالت میں خود رسول اکرمؐ اور انکے اصحابؓ و اہل بیتؓ آپ کے اقوال و اعمال کو دیتے تھے۔ نقہا متکلمین، مفسرین اور محدثین کے کارناموں کو وہی مرتبہ دیجئے جو خود ان بزرگوں نے دیا تھا۔ ان سے فائدہ اٹھائیے۔ جن چیزوں کے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے انھیں بدستور رہنے دیجئے مگر کبھی یہ نہ سمجھئے کہ جو کچھ وہ لکھ گئے ہیں وہ اٹل قانون ہے یا ان کی کتابوں نے ہم کو قرآن مجید میں غور و فکر اور احادیث نبویؐ کی تحقیق سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یا ان کے بعد کتاب و سنت سے براہ راست اکتساب علم کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔}

جناب مودودی صاحبؒ کو خود تسلیم ہے کہ احادیث کی چھان بین کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا اور یہ کہ احادیث کو جو حیثیت مسلمانوں نے دے رکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث کا درجہ قرآن کے پیچھے ہے۔ یعنی جو قرآن کے مطابق ہے وہ صحیح ہے جو خلاف ہے وہ غلط ہے۔ کہیئے کہ بھلا طلوع اسلام اس سے زیادہ اور کیا کہتا ہے۔ وہ اتنا ہی تو کہتا ہے کہ چونکہ روایات کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ فی الواقعہ رسول اللہؐ نے ایسا ارشاد فرمایا ہے اس لئے انھیں دین میں بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ دین میں حجت قرآن ہے۔ ارشادات نبوی کبھی قرآن کے خلاف نہیں جا سکتے۔ یہ تھیں وہ تحریرات جو میں نے اپنے دوست کو دکھائی تھیں (واضح رہے کہ یہ صاحب مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے بھی بڑے معتقد ہیں اور انھوں نے روایات کے متعلق جو کچھ ترجمان القرآن میں لکھا ہے اس کے باوجود انھیں پکا اہل حدیث

سمجھتے ہیں اور طلوع اسلام کو منکر حدیث ۔ کہیئے کہ اس ضد کا کیا علاج !

جہاں تک میں نے غور کیا ہے آپ کا **جرم** وہ نہیں جو آپ نے لکھا ہے ۔ وہ جرم "اخدا نکرے کہ اسے جرم کہا جائے) تو ایسا ہے کہ جس کے "مجرم" متقدمین اور متأخرین میں سے بڑے بڑے اکابر نظر آتے ہیں ۔ آپ کا اصلی جرم یہ ہے کہ آپ نے روایات کی صحیح حیثیت کو بالکل نکھرے ہوئے انداز میں واضح طور پر سامنے لاکر رکھدیا ہے میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ دوسروں نے (خدا نکردہ) جان بوجھ کر ایسا مجمل سا انداز اختیار کیا تھا ۔ ہو سکتا ہے کہ (جیسا کہ مولانا سندہی صاحب نے شاہ ولی اللہ کے مسلک درباره نسخ فی القرآن کے متعلق تحریر فرمایا ہے) ان حضرات نے اپنے وقت کے اقتضاآت کے لحاظ سے اسی انداز کو مناسب سمجھا ہو ۔ آپ کا جرم اتنا ہی ہے کہ اوروں نے جو باتیں اپنے مضامین کے اندر ملی جلی کہی تھیں ۔ آپ نے انھیں مستقل موضوع بنا کر الگ الگ کر کے لکھدیا ہے مثلاً جناب مولانا سندہی صاحب کا مضمون (متعلقہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ) برس دن سے اوپر ہونے کو آئے جب الفرقان میں چھپا تھا ۔ اسے میں نے بھی دیکھا اور میری طرح اور حضرات نے بھی اس میں انھوں نے حدیث کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو طلوع اسلام میں شائع ہو تا رہا ہے لیکن چونکہ انھوں نے اس چیز کو ایک دوسرے مضمون کے اندر ضمنی طور پر لکھا اس لئے وہ کسی کی نگاہ میں نہ کھٹکا ۔ اور اب جو آپ نے انہی کے الفاظ کو اپنے ہاں ایک جداگانہ مضمون کی شکل دے کر شائع کیا ۔ تب معلوم ہوا کہ وہ کیا لکھ گئے ہیں ۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مولانا آزاد صاحب نے ایک شخص کو اپنے خط میں لکھا تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نزول کو نہیں مانتے ۔ اس پر مولانا ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہل حدیث میں گرفت کی کہ یہ عقیدہ احادیث کے خلاف ہے تو مولانا آزاد صاحب نے اصل مسئلہ کا تو جواب نہ دیا لیکن اپنے حامی احادیث ہونے کا دعوے اتنے زور شور سے کیا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب کو کچھ اور پوچھنے کی (شاید) جرأت نہ رہی ہوگی ۔ اسی طرح مولانا آزاد نے اپنے ترجمان القرآن میں لکھدیا ہے کہ وہ بخاری شریف کی احادیث کو سہو اور خطا سے منزہ نہیں مانتے ۔ لیکن چونکہ یہ بات ضمنی طور پر کہی ہے اور اپنے معتقد احادیث ہونے کا دعوے بڑی بلند آہنگی سے کرتے ہیں اس لئے انھیں کوئی منکر حدیث نہیں کہتا ۔ جناب مودودی صاحب کی تحریروں کے جو اقتباسات میں نے اوپر دئے ہیں ۔ ان سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ احادیث کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے ۔ لیکن چونکہ وہ اپنے ہاں احادیث کی حمایت میں مضامین شائع کرتے رہتے ہیں اس لئے انھیں

کوئی منکرِ حدیث نہیں کہتا۔ آپ نے مولانا حمید الدین صاحب فراہیؒ کی تصنیف مقدمۂ نظام القرآن" سے اقتباسات پیش کئے جن سے معلوم ہوا کہ روایات کے متعلق ان کا عقیدہ کیا تھا۔ وہ وہی عقیدہ ہے جسے آپ پیش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مولانا علیہ الرحمۃ کو امام ماننے والے پکے حامیٔ حدیث سمجھے جاتے ہیں۔ اس باب میں ایک دلچسپ بات یاد آگئی مولانا علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے مولانا علیہ الرحمۃ کے مقدمہ تفسیر نظام القرآن کا اردو ترجمہ۔ رسالہ ترجمان القرآن میں شائع کیا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس میں سے وہ باب غائب ہے جس میں مولانا علیہ الرحمۃ نے احادیث کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے (اس ترجمہ کے شروع میں جناب مترجم نے یہ ضرور لکھدیا ہے کہ "بعض بحثیں رسالہ کے عام قارئین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں ہوسکتیں وہ ہم نے حذف کر دی ہیں"۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جہاں "تفسیر کے لسانی ماخذ" جیسے علمی اور نظری مباحث "تمام قارئین" کے لئے شائع کر دئے گئے وہاں احادیث سے متعلقہ باب بھی ساتھ شائع کر دیا جاتا تو اس سے کیا نقصان ہوتا!) بہرحال! میں کہہ یہ رہا تھا کہ آپ کا جرم فقط اتنا ہے کہ جس بات کو دوسرے ذرا پہلو بچا کر کہتے ہیں آپ اسے صاف صاف نکھرے ہوئے انداز میں کہہ رہے ہیں۔ اور یہ وہ جرم ہے جس پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے عوام کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جس جرأت سے کام لیا ہے اس سے بڑا مفید نتیجہ ہمارے سامنے آرہا ہے۔ اکثر مسلمان ایسے تھے کہ جن کی فطرتِ صالحہ ان چیزوں سے انکار کرتی تھی جنھیں رسول اللہؐ کی طرف منسوب کر کے بطور دین پیش کیا جاتا تھا وہ بچارے دونوں طرف سے مجبور تھے۔ انھیں دین مانتے ہیں تو فطرت پر جبر کرتے ہیں اور نہیں مانتے تو ڈرتے ہیں کہ دین سے انکار ہوجائے گا۔ آپ نے ہمت سے کام لیا اور یہ اصول پیش کر کے کہ دین میں صحیح اور غلط کی کسوٹی قرآن کریم ہے اور رسول اللہؐ کی سیرت مقدسہ قرآن کی کسوٹی پر پوری اترنے کی چیز ہے۔ ایک بہت بڑی مشکل کو رفع کر دیا۔ اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔"

{ہم اپنے اس بھائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس محنت سے یہ مکتوب بلکہ مضمون لکھا۔ اور اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہیں کہ اس نے ہماری سعی و کاوش کو نوازا اور ایسے ایسے مخلص قلوب اس سے متاثر ہوئے ہم اپنے دوسرے بھائیوں میں سے کسی کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی تک اس بات کو سمجھ نہ سکے ہوں کہ جو چیز شک و شبہ سے خالی نہ ہو اور اس کے صحیح اور غلط ہونے میں ہر وقت چھان بین کی گنجائش ہو۔ وہ دین میں حجت کے طور پر پیش نہیں کی جاسکتی۔ بہرحال ہم ایسا ہی سمجھتے ہیں اور اللہ کے اس احسان کے

شکرگذار ہیں کہ اس نے یہ توفیق عطا فرمادی کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کے اعلان میں کوئی رکاوٹ مانع نہیں ہوسکتی۔ فالحمد علیٰ ذالک۔ طلوع اسلام }

(بقیہ صفحہ ۵۰)

نظر آتی ہے کہ انہیں توقع تھی کہ وہ مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر منتخب کرلئے جائیں گے۔ جب ان کی بجائے سر ناظم الدین لیڈر منتخب ہوگئے تو نواب بہادر فضل الحق صاحب سے جاملے۔ اس وقت یہ چیز قرائن سے ہی ہویدا تھی۔ لیکن جیساکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ (مجرم تو اپنی پیشانی سے پہچانے جاتے ہیں) نواب بہادر ڈھاکہ کے انداز بتارہے تھے کہ بات دراصل یہی ہوئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۴ر جنوری ۴۲ءکو ایک طول طویل بیان میں اس حقیقت کا کھلے الفاظ میں اقرار کرلیا۔ وہ کہتے ہیں۔

"سر ناظم الدین کو اس بات کا کہ گورنر انھیں وزارت قائم کرنے کے لئے بلائیں گے اس قدر یقین تھا کہ انھوں نے مجھے کابینہ میں ایک نشست بھی پیش کردی۔ میں نے گورنر کو لکھدیا کہ میں سر ناظم الدین کے ماتحت کام کرنے پر کابینہ سے باہر رہنے کو ترجیح دوں گا بالخصوص اس سازش کے پیش نظر جو انھوں نے مجھے مسلم لیگ پارٹی کی لیڈرشپ سے باہر نکالنے کے سلسلے میں کی تھی حالانکہ میں مسلم لیگ کے ساتھ وفاداری اور خدمات کے بنا پر اس منصب کا حقدار تھا۔"

(اسٹیٹسمین ، ۱/۴۲)

غور فرمایا آپ نے کہ نواب بہادر صاحب نے مسلم لیگ پارٹی سے کس بنا پر تعلقات منقطع کئے! یہ ہیں ان حضرات کے ملی جوہر۔ یہ تو واقعی اچھا ہوا کہ یہ لوگ لیگ سے باہر ہوگئے "خس کم جہاں پاک" ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے۔

بقیہ لمعات

قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم نے طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت (حصہ لمعات) میں مسلم لیگ کے (انگریزی) اخبار ڈان کے ایک مقالہ افتتاحیہ کے ایک ٹکڑے کے متعلق گذارش کیا تھا کہ اس سے قرآن کریم کے متعلق ایک غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے اور جناب مدیر ڈان سے التماس کیا تھا کہ وہ اپنے مفہوم کی وضاحت فرما دیں تاکہ رفع التباس ہو جائے۔ ۲۵ جنوری کے ڈان میں ہماری اس درخواست کے متعلق ایک شذرہ شائع ہوا ہے جسے دیکھ کر ہمیں بے حد رنج ہوا کہ ہم نے ان حضرات سے غلط توقعات کیوں وابستہ کر دیں۔

زلف آوارہ۔ گریباں چاک۔ اوست شباب

تیری صورت سے تجھے درد آشنا سمجھا تھا

لیکن نگاہوں کی یہ کیسی بھول تھی! ہمیں افسوس ہوا!

میری اس سادگی پر رحم کھا تا کہ تم سے آرزوئے دل بیاں کی

ہم قارئین طلوع اسلام سے درخواست کریں گے کہ وہ موقر جریدۂ ڈان کے اس شذرہ[1] کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس میں کونسی بات ایسی تھی جس پر یوں لال پیلے ہو جانے کی ضرورت پڑ گئی ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس قدر چھوئی موئی بن جانے سے حقائق کی دنیا میں کام کیسے چلے گا! لیکن انسان کی بھی عجیب حالت ہے ہر شخص زبان سے اقرار کرتا ہے کہ وہ غلطی کر سکتا ہے لیکن جونہی کسی کو اس کی غلطی پر متنبہ کیجئے۔ فوراً بگڑ جاتا ہے۔

ہمیں اپنے احباب کی اس روش پر افسوس ضرور ہوا لیکن غصہ نہیں آیا۔ اور غصہ آبھی کیسے سکتا ہے وہ جس نام کا سہارا لیکر اٹھے ہیں وہ ہماری زندگی کی عزیز ترین متاع ہے۔ اس لئے جسے اس نام سے نسبت ہو اس پر خفگی کیسی؟

متاع قافلہ ما حجازیاں بردند ولے زباں نکشائی کہ یار ما عربی است

(٦)

کاغذ کی گرانی اور کمیابی (بلکہ نایابی) اب اس حد تک جا پہنچی ہے جہاں پہونچکر ہمیں ناچار رکنا پڑا ہے۔ اب اخراجات کی گراں باری رسالہ کے لئے ناقابل برداشت ہو رہی ہے اور ہم حیران ہیں کہ اس باب میں کیا کیا جائے اس

---

[1] اس کا نقل کرنا بے سود ہے کہ اس میں نقل کرنے کے قابل کچھ ہے نہیں۔

ضمن میں ایک گوشہ ایسا ہے جس میں آپ بھی ہماری معاونت کر سکتے ہیں طلوع اسلام نے جس قدر لٹریچر آج تک شائع کیا ہے اس کی تفصیل کا آپ کو علم ہے۔ جب کاغذ کی گرانی کا یہ عالم نہ تھا تو ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور سینکڑوں کی تعداد میں رسالہ ہر ماہ مفت تقسیم کیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ کوئی ایک دو دن نہیں برسوں تک جاری رہا۔ اس لٹریچر میں سے کچھ حصہ ابھی تک دفتر میں موجود ہے۔ نیز طلوع اسلام کے پرانے پرچے بھی موجود ہیں۔ اگر آپ انھیں مفید سمجھتے ہوں تو یہ وقت ہے کہ آپ ان کی اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں ہم نے اس لٹریچر کی قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا پمفلٹس اور پرانے پرچوں کی تفصیل درج ذیل ہے یہ قیمتیں علاوہ محصول ڈاک ہیں۔

پمفلٹس۔ واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان ۲ر اسلامی معاشرت ۸ر متحدہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب ۲ر سوراجی اسلام ۲ر اسلام اور مذہبی رواداری ۲ر مسلمان کی زندگی ۲ر جہان نو ۸ر شخصیت پرستی ۲ر علم حدیث ۲ر جہانِ نو یعنی پاکستانی اسکیم قرآن کی روشنی میں ۸ر خدا کی بادشاہت ۴ر زبان کا مسئلہ ۲ر

طلوع اسلام کا پہلا پرچہ نومبر ۱۹۳۸ء سے شائع ہوا تھا۔ اس وقت سے آج تک کے تمام پرچے (باستثنار حسب ذیل) موجود ہیں اور فی پرچہ ۴ر کی قیمت کے حساب سے دیئے جا سکتے ہیں ۸ر میں فی پرچہ محصولڈاک پر صرف ہوگا

یہ پرچے نہیں ہیں۔ جون۔ جولائی۔ اگست۔ ستمبر ۱۹۳۸ء۔ جنوری ۳۹ء۔ مارچ ۱۹۴۲ء

یہ پرچے منگا لیں کہ شاید اس کے بعد یہ مجلدات کسی قیمت پر بھی نہ مل سکیں۔

---

(۷)

معارف القرآن کو جو مقبولیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس پر ہم جناب مؤلف کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ عنایت فرما دے۔ شمس العلماء علامہ سید محب الحق صاحب قبلہ کے دو مکتوبات گرامی آپ کی نظروں سے گذر چکے ہیں۔ وہ اپنے تیسرے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں

"کسی کتاب کو ایک دفعہ پڑھ جانے سے اس کی حقیقت نہیں کھلتی نہ مصنف کی دماغ سوزی کی حد تک رسائی ہوتی ہے۔ پہلا پڑھنا تو ایسا سرسری ہوتا ہے کہ اس میں ہے کیا۔ یہ تجربہ ہے کہ کتاب کو دوبارہ پڑھنا چاہیئے اس لئے میں نے معارف القرآن کو دوبارہ دیکھنا شروع کیا ہے اور بہ توجہ پڑھ رہا ہوں۔ خدا آپ کی محنت۔ دماغ سوزی اور اخلاص اور قرآن کی اس خدمت کو قبول کرے۔"

معارف القرآن کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ایک عجیب چیز ہمارے سامنے آئی۔ سرحد کے متعلق عام طور پر ذہنوں میں تصور کچھ ایسا ہے کہ وہ بڑا اجڈ سا علاقہ ہے۔ وہاں کی زندگی سپاہیانہ ہے علمی کارناموں سے وہاں زیادہ دلچسپی نہیں ہو سکتی لیکن آپ یہ سنکر حیران ہونگے کہ اس وقت تک معارف القرآن کی قریب اسی فیصدی نکاسی سرحد میں ہوئی ہے۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ بیچاروں کے پاس کتاب کے دام موجود نہیں ......

...... پیسہ پیسہ کر کے جمع کرتے ہیں اور خط پر خط لکھے جاتے ہیں کہ خدا کے لئے ہمارے واسطے کتاب کا نسخہ محفوظ کر کے رکھ لیجئے ایسا نہ ہو کہ جب تک ہم قیمت جمع کریں۔ کتاب ختم ہو جائے۔ اس کتاب کے متعلق سرحد میں اس قدر اشتیاق کیوں ہے؟ اس کی وجہ ان خطوط سے معلوم ہو رہی ہے جو وہاں سے موصول ہو رہے ہیں۔ ان میں لکھا ہوتا ہے کہ یہ کتاب ہمارے اندر عمل کی نئی روح پھونک رہی ہے اور جن قرآنی مسائل کو ہم آج تک نظری چیزیں سمجھتے تھے۔ ان کے متعلق اب معلوم ہوا کہ وہ تو یکسر عملی چیزیں ہیں۔ اس کتاب نے ہمارے سامنے قرآن کریم کے متعلق زندگی کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے!

یہ غالباً اس لئے کہ ابھی ان لوگوں میں زندگی کی کچھ حرارت موجود ہے اور قرآن کریم کے پیام حیات پرور سے "زندگی" کے مطابق ہی فائدہ کیا جا سکتا ہے ان ھو الا ذکر وقرآن مبین ۰ لینذر من کان حیا 36/69-70 (یہ پیغام خداوندی) تو ایک یاددہانی ہے اور واضح قرآن۔ تاکہ یہ اسے جو زندہ ہے (اعمال حیات کے نتائج سے) آگاہ کر دے۔ قرآن کریم سے فی الواقعہ وہی قوم فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ جو زندہ ہے مردوں کی بستی میں اس سے زیادہ سے زیادہ آتنا ہی کا کام لیا جا سکتا ہے۔

کرازلیسن او آسال بمیری

(۸)

شروع شروع میں جب پاکستان کا چرچا ہوا ہے تو حسب معمول قومیت پرست حضرات کی طرف سے اس کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا گیا۔ اس اسکیم کے خلاف جو اعتراضات عام طور پر وارد کئے جاتے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اسے پاکستان کی چار دیواری میں بند کر دینا کہاں کی دانش اطواری ہے۔ یہ اعتراض جہالت اور طفلانہ پن کا ایسا مضحکہ انگیز مظاہرہ تھا کہ جس سنجیدہ محفل میں پہونچا خفیف سی ہنسی سے اس کا استقبال ہوا اور رفتہ رفتہ یہ اپنی موت آپ مر گیا۔ لیکن آپ یہ سنکر حیران ہونگے کہ اس گڑے مردے کو پھر سے اکھاڑا گیا۔ اور اس مرتبہ اس اعتراض کو پیش کرنے والے ایک ایسے

صاحب ہیں جن کی متانت اور سنجیدگی کا علمی حلقہ میں عام طور پر احترام کیا جاتا ہے۔ جامعہ ملیہ دہلی کے پرنسپل ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب جب پچھلے دنوں کراچی تشریف لے گئے تھے تو ان سے کچھ سوالات کئے گئے جن میں سے ایک سوال اور اس کا جواب درج ذیل ہے۔

سوال۔ پاکستان کے متعلق ایک قوم پرست کی حیثیت سے آپ کے نظریے کیا ہیں؟

جواب۔ اس سوال کا جواب میں ایک قوم پرست کی حیثیت سے نہیں دینا چاہتا۔ میں ایک مسلمان ہوں اور اسلام میرے لئے شمع ہدایت ہے۔ اس وقت ایسے صوبے موجود ہیں جن میں مسلمانوں کی آبادی ۷۰ فیصدی ہے اور جن میں کم یا زیادہ مکمل سیاسی اقتدار حاصل ہے لیکن وہاں بھی وہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو ایک تمثیلی مسلم اسٹیٹ میں ہونی چاہیئے۔ اگر مطلوبہ پاکستان کو مسلم وطن بنا بھی لیا جائے تب بھی اس سے کیا بہتر فرق ہو سکتا ہے جبکہ وہاں مسلم آبادی محض ۷۰ فیصدی ہی رہے گی؟ اسلام ایک عالمگیر مشن ہے اور اسے پاکستان جیسے تنگ رقبے میں مقید و محبوس کرنا مناسب نہیں ہے۔ سوسائٹی ایک تنظیم ہے جس کے تمام افراد کو ایک دوسرے پر اثر انداز ہونا چاہیئے۔ (انصاری ۱/۴۲ ۲)

ہمیں نہ اس کی کوئی شکایت ہے نہ اس پر تعجب کہ ڈاکٹر صاحب پاکستان کی اسکیم کے مخالف کیوں ہیں۔ لیکن یہ دیکھکر ہمیں فی الواقعہ افسوس ہوا کہ وہ اب ایسی عام سطح پر آچکے ہیں۔ سردست اس مسئلہ کو تو چھوڑ دیئے کہ پاکستان کے نظام حکومت اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں موجودہ سیاسی اقتدار میں کیا بنیادی فرق ہے۔ اس اعتراض کو لیجئے جس کی طفلانہ سطحیت کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو گھیر کر پاکستان کے حدود کے اندر بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد پاکستان کے گرداگرد ہمالیہ پہاڑ جتنی اونچی دیواریں کھڑی کر دیجائیں گی اور اس قلعہ بندی کے باہر بڑی بڑی گہری خندقیں کھود کر ان میں شعلہ فشاں آگ روشن کر دی جائے گی۔ چاروں طرف پہرہ بٹھلا دیا جائے گا کہ اس "محبس پاکستان" سے نہ کوئی مسلمان باہر آسکے نہ باہر کا آدمی اندر جا سکے۔ اور اس طرح ایک دوسرے پر اثر انداز نہ ہو سکے! یہ ہے کھلے الفاظ میں اس اعتراض کا مفہوم۔ فرمایئے اس اعتراض کا کیا جواب دیا جائے! اس سے تو کہیں اچھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب صاف صاف کہدیتے کہ میں بہ حیثیت قومیت پرست اس اسکیم کی تائید نہیں کر سکتا۔ اس سے آپ کے علمی وقار کی ہنسی تو نہ اڑتی لیکن ہمارے مسلم قومیت پرست حضرات کی سب سے بڑی مشکل تو یہی ہے کہ انھیں کہنا وہی کچھ پڑتا ہے جو گاندھی جی کہتے ہیں لیکن یہ بتانا پڑتا ہے کہ یہ عین اسلام کی تعلیم ہے اس روش کو نبھانے کے لئے پھر جو کچھ انھیں کرنا پڑتا ہے اس کے مظاہرے آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔

موحد جئے اور غلاموں کی موت مرے۔ یہ ہے ان حضرات کے نزدیک اسلام! ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے!

دورِ حاضرہ کی عظیم الشّان کتاب

"مُعارف القرآن"

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز مدظلہ)

یعنی حقائق قرآنی کا دائرۃ المعارف۔ جو اس اصول پر مرتب کیا گیا ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور تکمیل شرفِ انسانیت کے لئے مکمل اور واحد ضابطہ حیات ہے۔

اس کی ترتیب

کے متعلق یوں سمجھئے کہ قرآن کریم سے متعلق کوئی مسئلہ آپ کے ذہن میں آئے۔ پوری کی پوری قرآنی تعلیم۔ ایک دلکش۔ مربوط مضمون کی صورت میں آپ کے سامنے ہو۔

جلد اوّل

شائع ہو چکی ہے۔ بڑی تقطیع ۲۲×۲۶/۸ کے ۵۷۰ صفحات پر مشتمل۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت جلد اعلیٰ درجہ کی قیمت

بلا جلد ———— پانچ روپیہ ۵/- ———— محصول ڈاک ۱۳/

مجلد ———— ساڑھے چھ روپیہ ———— محصول ڈاک عمر

کتاب کا مقدمہ علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کے تبحرِ علمی کا آئینہ دار ہے جس میں علم تفسیر پر بالخصوص محققانہ بحث کی گئی ہے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام دہلی

معاملہ کی ضروری باتیں

(۱) **طلوع اسلام** ہر انگریزی مہینے کی یکم کو التزاماً شائع ہو جاتا ہے اور نہایت احتیاط سے حوالۂ ڈاک کیا جاتا ہے

(۲) رسالہ موصول نہ ہونے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک دیجئے۔ ورنہ بعد میں شاید پرچہ موجود نہ ہو اور اگر موجود بھی ہوگا تو بلا قیمت نہ مل سکے گا۔

(۳) تبدیلی پتہ کی اطلاع ۲۵ تاریخ سے پہلے پہلے آنی چاہیئے۔

(۴) جس ماہ کی خریداری کا چندہ ختم ہو جاتا ہے اس مہینہ کے پرچہ کے اندر ایک اطلاع جوابی کارڈ رکھ دیا جاتا ہے جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آنا چاہیئے۔

(۵) چندہ سالانہ پانچ روپیہ معہ محصول ڈاک ہے۔ قیمت فی پرچہ (۸) چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت اور منتظمین کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) ہر رقم موصولہ (خواہ کسی ذریعہ سے موصول ہو) کی ایک رسید بھیجی جاتی ہے۔

(۷) وی۔ پی طلب کرنے کے بعد اسے وصول نہ کرنا ادارہ کو بلا جرم سزا دینے کے مرادف ہے۔

(۸) منی آرڈر کرتے وقت اپنا پتہ پورا اور صاف لکھیئے نیز رقم کی تفصیل بھی درج فرمائیے۔

(۹) آپ اپنا تعارف **نمبر خریداری** کے ذریعہ سے ہی کرا سکتے ہیں اس لئے اس نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولئے ورنہ ہمیں بے حد وقت اور آپ کو ناواجب شکایت ہوگی۔

(۱۰) نمبر خریداری یاد نہیں رہا کرتا کہیں نوٹ کر چھوڑیئے۔

(۱۱) "**طلوع اسلام**" کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ بلکہ ملت اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس سے اشتراکِ عمل اور معاونت ایک ملی خدمت ہے۔

(۱۲) خوش معاملگی کی استواری کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین ہر وقت خدا کو اپنے درمیان رکھیں۔ واللّٰہ المستعان

(۱۳) نمونہ کے پرچہ کے لئے ۸؍ کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

تازہ پرچے کی قیمت ۸؍

ناظم:۔

ادارۂ طلوعِ اسلام دہلی

Printed at the [illegible]
Published by [illegible] from Tulu-e-Islam [illegible]